HELP/22/27

Misc 88

SHORT HAND NOTE BOOK.

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

بسم اللہ وحدہٗ ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

[illegible] ہے بعض ہی دلپذیر ہی آخری و اوّل مقدمہ ہے میں [illegible]

الٰہی از آتش سینہ و روشنیٔ زبانم را + بسوزان و بگردان ہر چہ غیر از تو بخوانم را

دیوان علی ایک بار مطبع [illegible] پہلے ایک دفعہ دوسری بار مطبع میں (جبکہ [illegible]

چھپنے کے بعد نولکشوری پریس والوں نے کئی بار چھاپ دیا ہے ۔ یہ دیوان کئی مستند اشخاص

کے کلام کا مجموعہ کیا ہوا ہے ۔ جس اپنے کو اس نے مسلم مجرم کے نام سے پکارا ہے ۔ اور اسکے

قلم سے ایک مختصر دیباچہ بھی ہے ۔ جس میں یہ مسلم اپنی کوتاہ دامنی کا ماتم کرتا ہے ۔ اور

حق تلمذ ادا کرنے کے تدوین دیوان کا کام ہاتھ میں لیا ہے ۔ پھر اس کام میں

بطور شریک کار ایک اور بزرگ کا نام ان القاب و آداب کے ساتھ لیا ہے کہ "... خاستم بالتفاق

خادم الفضلاء ملک الشعراء مرتفع شان گردون رسیدہ ملک شہید بتدوین دیوان سحر بیانش

حق شناسی بتقدیم رسانم ...."

"اما بعد" سے پہلے براعت استہلال کے طور پر زمین سخن میں گلہائے رنگین حمدیہ کھلائے

فلک حمدیہ پر کواکب مبانی (مراد از خصائص تازہ) چمکائے ۔ قاعدت حمدیہ پر الفاظ گزیدہ کا لباس

پہنائے ۔ لفظ کو معنی کی ہدایت سے خلوت کدۂ راز کا محرم ۔ اور معنی کو معرفت لفظ کی بدولت

قلمرو آواز میں روشناس بنانے والے ۔ ۔ ۔ قادر مطلق و حکیم سخن پر زبان آفرین کی حمد و ثنا

توصیف و تعریف اور تمجید و تکبیر سے عجز و درماندگی میں اعتراف عجز ۔ اور اسکے پر نور

خاص خاتم الانبیاء والمرسلین رسول برحق کی نعت و تمدیح کا حق ادا ہونے کا اقرار

کرتے ہوئے "اما بعد" پر پہنچتے ہے ۔ ۔ ۔ یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے ۔ اکثر کتب اردو میں

نمونتہً ایک گراں بہا دولت اور حمدیائی غزالوں میں ایک خزانہ ہے ۔ جسقدر ہر دور

ہر زمانہ میں کسی اہل اور خاص بندے کے سپرد کر دیتی ہے ۔ جس کی بدولت سے اس دور کے اربابِ سخن کو

اپنی اپنی بساط کے مطابق اس دولت اور ان خزانوں سے کسی نہ کسی اندازہ پر حصہ [illegible]

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

ایسی جاذبیت یا بالفاظ دیگر خریدداری اگر دوروں ہو سکتی ہے۔ تو ایسے جامع مگر لفظ دہن دقاد کمپنی ہی

ہو سکتی ہے۔ جو ایجاز معانی کو اچھے سے اچھے الفاظ کا لباس پہنا سکتا ہو۔ جو دوروں قریب الفاظ کے مابین

ڈھال سکتا ہو۔ جو کا ایک جملہ دوسرے جملہ کے ساتھ چپکا ہوا ہو۔ اور کہنے کا ارادہ مقصود بیان نفس

مراد تک بآسانی تمام پہنچا سکتا ہو۔ اس انداز سے کہ سننے والا مسحور مسرور بھی ہو اور محظوظ ماثر بھی

"تو شعر گو کلام لایوح را ——— در شعر بینی ره بنود اعنی را"

"لطف است تیمم در کفارت نبود ——— لفظ باید کہ پرورد معنی را"

ایک پورا جملہ ہے۔ کہ اسی دور (یعنی اسکے اپنے دور) میں اگر اس قابلیت اور اہلیت کی کوئی

شخصیت ہو سکتی ہے۔ تو وہ مولانا شبلی کی شخصیت ہی ہو سکتی ہے۔ اور بس۔ ان ہی کا

کلام ہے۔ جس میں کسی خاص دخل یا اعتراض کی گنجائش کی کوئی بات۔ انکی لفظی و معنوی گہرائیوں

اور مفہوم و مضمون تک پہنچنے میں کام دارد' والا معاملہ ہے۔ اور جو اس کلام کی دلکشی و دلنشینی

ہمواری و روانی' معنی آفرینی و مضمون تراشی' حرف و صوت کی ہم آہنگی' لفظ و

معنی کی چسپیدگی۔ متانت و فصاحت' روانی و سلاست' عذوبت و حلاوت'

تراکیب و تشبیہات کی نزاکت۔ خیال بندی و ایہام پسندی۔ ادای مطالب کی ندرت اور

انتخاب الفاظ کی مابہ الہ قدرت وغیرہ وغیرہ کی تعریفوں میں رازی قلم صرف کرنے کی ضرورت ہے۔

کہ مولانا نے خود تدوین دیوان کے کام کی تکمیل حاصل سمجھا تھا۔ علم کو عرفان کا لقب دیا۔ سرکو

ان دونوں کا پردہ دار بنا دیا۔ صنائع حقیقی کو علوم رسمی میں چھپا دیا۔ اور انگلیوں کو

مضامین بکر اسحار کا ایک مرقع بنا گئے۔ جس اپنے فضل و دانش اور علم و عرفان پر ناز الکرانہ دعوے

جیسا کہ وہ کہتے ہیں:۔ "زشوخی نشد رو بلوئی فضل و دانش کہ چیزہ دماند بہ پیرہ گنہ"

اسکے بعد اس علم کا ارشاد ہے۔ کہ ان تمام کمالات صوری و معنوی' ظاہری و باطنی میں

مولانا کی نسبت شیخ محسن فانی سے ہے۔ یعنی علم و ادب میں بھی انہی کے شاگرد تھے اور

CC-0. NTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اور یہ کہ انکی کلام انکی حیات میں مدون نہ ہوسکا۔

اور مختلف بیاضوں اور یادداشتوں سے انکے پوتے نے جمع کرکے شائع کیا۔

آخر دیوان میں بحوالہ "سراج" جو کچھ حالات زندگی دئے گئے ہیں وہ اس طرح پر ہیں:۔

"تذکرۃ الشعراء مسمّٰی بہ جمع النفائس میں اسکے مؤلف منشی سراج الدین علی خاں آرزو نے گویا ایسا ہی کہا ہے

کہ "مولوی طاہر غنی کشمیری شیخ حسن خاں کے شاگرد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان سے ایران جانے والوں

مرحوم میرزا صائب اپنے تخلص کا مطلع کیا کرتے تھے۔ اور اس کی مراد محسن غنی کے اشعار سے کرتے

تھے۔ نواب عبدالرحمان۔ طاہر وحید اسکے (غنی کے) دیوان کو اپنے ہاروی جمیل کیلئے توشہ سمجھا

کرتا تھا۔ کشمیر کی کیا بات، دوسرے کسی ملک کے بھی ہندوستان میں کوئی ایسا نہیں اٹھا ہے۔ یہ تو اپنے

ہمعصروں بلکہ اکثر متقدمات سے بھی بیش قدم ہی رہا ہیں۔ میرزا صائب نے اپنی دیوان میں سے دو سو اشعار

منتخب کرکے اپنی بیاض میں درج کرلئے تھے۔ جو بیاض ابھی تک محفوظ ہے" اسکے اور تذکرہ کے مؤلف نے

لکھا ہے کہ "میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے۔ کہ میرزا صائب نے فرمایا کرتے تھے۔ کہ کاش اسکے (میرزا)

تمام اشعار۔ محسن غنی اپنے اس شعر کے عوض۔ "حسن سبز خط سبز را کرد اسیر۔ دام میگردد ومن

بودہ گرفتار شدم" قبول کرلیتے اور یہ ایک شعر میرزا صائب کے نام درج کردیتے" اسکے آگے صفحہ

شاعر کا کہتا ہے۔ کہ اسکے کسی معتبر شخص سے سنا ہے کہ میرزا عبدالغفار بیسل کہا کرتے تھے کہ اگر یہ شعر

جلدی اکبر کا ہوتا۔ تو میں (میرا بیدل) شعر کہنا چھوڑ دیتا۔ کیونکہ یہ شعر اپنی لفظی و معنوی لطافت کے لحاظ سے

لاجواب ہے" اسکے بعد نصیرآبادی کا حوالہ دیکر کہتا ہے۔ کہ "مولوی طاہر غنی نے تحصیل علوم میں سعی بلیغ

تمام کیا ہے۔ اور باوجود حداثت سن۔ (نوجوانی) کمال بے تعلقی سے رہتے تھے۔ اور دنیوی ظرافت کو پرکاہ کے

برابر بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اسکے وہ غنی معنوی بھی رہے ہیں۔ چنانچہ کہا ہے:۔

"سعی روزی بر نمیدارد مرا از جای دلیش = ابر چوں شبنم میرد بزم سوئے بزم دیگری"

پھر کہا ہے کہ شاعر کا فرمانا ہے۔ کہ اسکے کسی معتبر شخص سے سنا ہے۔ کہ "بادشاہ والاجاہ سلیمان نے سریفان

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

گورنر کو لکھا۔ کہ مولانا غنی کو دہلی بھیج دیا جائے۔ اور سیف خاں نے انہیں باہر کرنے کا حکم سنایا۔ انہوں نے جواب دیا۔

کہ لکھو کہ دیوانہ ہے حاکم نے کہا۔ تجارت میں ایک فرزانہ ہزروں کے دیوانہ کسطرح کہہ سکتا ہے۔ اسپر مولانا نے

فوراً اپنی کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اور دیوانہ وار باہر نکلے اور تین دن بعد الٰہی خاں میں انتقال کر گئے۔ اسکے بعد

ارشاد ہوتا ہے۔ کہ حق مولانا بہت ہی درست سلیقہ اور غریب الحال تھے۔ اور انکے اشعار بہت ہی لطیف

اسکے بعد ہر جہ بین دولت بسنجوں حاشت تذکرۃ الشعراء کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں۔ "گلستان سخندانی کے

آب رنگ، شاعر ماہر یک فنی شہر طاہر غنی شیخ حسن نامی سے شاگرد تھے۔ اور مرد قانع۔ مرزا صائب نے

الکاپہ سخن گوی جہاں نوشتہ کرا ایں۔ کرد جدا کاسہ سر ہا زتن" سنکر کشمیر کا عزم کیا"

غنی سے ملے۔ کرا ایں کے معنی پوچھے۔ مولانا نے معنی بتائے۔ غنی نے اپنے ایک لاکھ اشعار کا دیوان

دو ہزار انتخابی ابیات کا جو مجموعہ بنایا تھا۔ اور باقی کو دریا برد کر دیا تھا۔ وہ میرزا صائب کے

ہاتھ دیکھا۔ میرزا صاحب محظوظ ہوئے خصوصاً بیت "حسن سبز خط سبز ہ کرد اسیر + طوطی سبز پرند ایں

ولوہ گرفتار شدم"۔ پر اتنا متاثر ہوکر فرمایا کہ کاشی یہ کشمیری میری تمام عمر کی شاعری اسی ایک

شعر کے عوض قبول کر لیتا ..."۔ اسکے بعد شہر افضل سرخوش نے جو کچھ غنی کے متعلق لکھا ہے انکا

حوالہ دیا جاتا ہے "شہر طاہر غنی طبع عالی کے مالک تھے۔ اور شاعری کے تیغہ کو کمال سے بنجادیا۔ خطہ کشمیر

بلکہ تمام اقلیم ہند سے اس جیسا نازک خیال و خوش مقال اور نازک بیند پیدا نہیں ہوا۔ انکا دیوان

شہر علی طاہر نے مدون کیا۔ جب کہ میں (سرخوش نے) دیوان میر معز و نامور علی ہزہندی مدون کیا میں

غنی (۱۰۶۰) انکی شاعری شروع کرنے اور تخلص رکھنے کی تاریخ ہے۔ اکثر حواشی میں اور انکے معاصرین

کی سرخوش کلدو کے قائل ہیں۔ اپنے تخلص غنی کی اپنی صفت ذات بنا رکھا تھا۔ یعنی

ہر گونہ بیدلسکانی کے باوجود کمال دلجمعی کے ساتھ گذارتے رہے۔ ایک اشعار یا عادت۔ انکا عزم کو دم

باحلاوت، ایک دارادات میں معنی خاص لیتے ہیں۔ اور مضامین تازہ بیشمار۔ اگرچہ شیخ محسن فانی کے

شاگرد ہیں۔ مگر [illegible]

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

تو اس پر اصرار کرتے۔ مگر عین جوانی میں وداع دنیا فانی کرنے میں ہم اپنی اساد پر سبقت لے گئے۔
اور الفاکلام ایرانی و توران و ہندوستان میں زبانی زد خلائق رہا۔ اور ہر سہ کی غیبت طفی پر دلالت کرتا ہے

نگردد کہ من مشہور نا جاں در نتم پشہ + کہ بوداز مرگ آہو ناف ہیرو ن صید پر بورا

شہر علی ماہر تبتای مہر زا جعفر معمائی نے اپنی تاریخ وفات میں کہا ہے :-

"چو دانش فضل صحبت شیخ کامل محسن فانی + غنی سر حلقہ اصحاب او در کشت دانی شہ

ہی چن کرد بزم شیخ زا گفتند تاریخش + کہ "آگاہ ہوی دارفنا از دار فانی شہ

ناظم لشکر ظفر خان احسن کے بیٹے عنایت خان آشنا نے ایک قصیدہ کہا۔ کہ جو شعرا کے حلقہ میں سنے
میرے فہم میں نہ آئے۔ وہ اصلاح غنی نے سنا۔ تو فرمایا کہ اسے کچھ اعتماد مجھے عنایت خان کی
شعر فہمی پر تھا۔ وہ اب اٹھ گیا۔ اسکے بعد عنایت خان نے کہی اپنے کو شاعر ظاہر کیا۔ شاعر ظاہر کا آخری ایڈیشن
کہ "ابتدای نمود گی ہے یہ کہ اکمل وفات تک صرف ۱۹ سال کا ایک فضل و قضیہ بسجاں العلم اس قدر
قلیل وقت میں اس درجہ تحصیل و تکمیل اور اسقدر کمال۔ جو سخنوران کامل الفن کو فرہنا میں میسر ہتا ہے
ملا غنی کا کام ہے :- ای صاحب نبود مانند تو بیت + تا بخشد صدای بخشندہ ؟؟

یہ ہے وہ نام دا کستان جو نو لکشوری مطبوعہ دلوان میں لکھی گئی ہے۔ اس ساری داستان میں
غنی کے نام، استاد، فن اور غلط وفات کے بغیر اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ کشمیر بلکہ بعض جو رفیض
برصغیر ہند (بشمول پاکستان) کے آسمان ادب کے اس درخشندہ ستارے، اور دنیای ادب میں مادر
وطن کشمیر کا نام روشن کرنے والے فرزند کی زندگی کے کسی بھی پہلو کے بارے کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے۔

کلچرل اکیڈمی - یہ بیسویں صدی عیسوی ہے۔ اسکی ابتدا ہی میں کرہ ہوا پر قوت ایجاد نے پرواز کے
در نیو قبضہ جانے کے ڈورے ڈالے۔ اور اب اسی آخری نصف صدی کے آغاز ہی میں قوت اختراع نے اجرام فلکی میں
ذیرے جانے کی دوڑ شروع کرائی ہے۔ اس دور میں کہاں ہر قوم اور ہر ملک اپنی ثقافتی، صنعتی، تمدنی
اور ادبی کارناموں اور روایات کی سرتو تدوین و ترتیب، اور فنون لطیفہ کی تجدید و تحدید میں
تحقیق و تدقیق اور تفحص و تجسس کے کام میں لگا پایا ہے۔ وہاں ہماری ریاست نے بھی اس کام کیلئے۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

ایک ادارہ "جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹ اینڈ کلچر" کے نام سے قائم کیا جس کے دفتر کا افتتاح

۲۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو کیا گیا ۔

اس اکیڈمی نے جن امور کو اہم سمجھ کر اولیت میں لیا ۔ ان میں دنیائے ادب کے مشہور شاعر "غنی کشمیری" کے حالات زندگی میں حتی الامکان تفحص و تجسس اور ان کے دیوان کا اقتضائے وقت کے مطابق تدوین و ترتیب بھی شامل ہے ۔ یوں تو یہ کام آسان معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ غنی کا دیوان جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۔ کئی بار چھپ چکا ہے ۔ مگر جب اس دیوان اور اس کے دیباچوں میں دیکھا جاتا ہے ۔ تو معلوم ہوتا ہے غنی کی اصلی زندگی کے حالات کا ۔ جیسا کہ ذکر ہوا کچھ بھی پتہ نہیں چلتا ۔ یہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ کلام میں بھی کاحقہ تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا گیا ہے ۔ بعض الفاظ کی لفظوں میں بھی کچھ لغزشیں ہوئی ہیں ۔ جنکا ازالہ مقدم سمجھ کر اکیڈمی کی طرف سے جو کوششیں ہوئی ان کا مختصر تذکرہ کرنا بے محل نہ ہوگا ۔

(۱) جن بیرونی لائبریریوں سے ممکن ہوا ۔ دیوان غنی کے قلمی نسخوں کے مائیکرو فلم (جنکی بقول منگوا کر ان سے بقول حرفیت کئے جانے لگے ۔ مثلاً ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ ۔ لندن میوزیم ۔ اور انڈیا آفس لائبریری ۔ (۲) دیوان غنی کے قلمی نسخوں کی تلاش شروع کی ۔ اور کئی نسخے بہم بھی کئے گئے ۔ (۳) تاشقند میں ایک ضخیم دیوان غنی چھپنے کی افواہ سنی ہر بھارت میں روسی سفارتخانہ کے ذریعہ ایک کاپی حاصل کرنے کی خط و کتابت کی گئی ۔ معلوم ہوا یہ محض افواہ تھی ۔ اب ہمارے جناب صدر ریاست نے دورۂ روس کے دوران میں تاشقند سے ایک مائیکرو فلم نقل حاصل کرلائی ہے ۔ اسکے علاوہ (۴) مادر وطن کا نام روشن کرنے والے اس مشہور دیار و احصاء فرزند کے کلام اور حالات زندگی وغیرہ کے متعلق مکمل الحصول اطلاعات بہم پہنچانے کیلئے کسی ہمدرد کو ہندوستان کی بڑی لائبریریوں میں بھیجنے کا انتظام کیا گیا ۔ جائے اس توجہ الدر مقصود کے مرحوم کی اولاد میں سے عقدۂ (خواجہ

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust.

کسی خوش فہمی کی بنا پر) باتفاق رائے کنج خمول کے گوشہ نشین راقم الحروف (دراصل بیتہاب) کے نام کا قرعہ ڈالدیا۔ اسی بنا پر اس اکیڈمی کے تجربہ کار اور ملک بھر کے افراد اور ان افراد کے طبائع سے واقف سکرٹری مرزا کمال الدین صاحب (شیدا) نے اسی ہیچ میرزد ہیچمدان راقم الحروف کو اس کام یعنی غنی اور اسکے دیوان کی متعلقہ تفتیش و تدوین کے انجام دینے پر آمادہ کیا۔ اگرچہ انہیں یہ پتہ تھا کہ مجھ سے شیخ صاحب کے عہد وزارت میں اسوقت کے ناظم تعلیمات کاظم صاحب کے کہنے پر ہی میرا صاحب میرے ہی ایک معقول پیشکش (Proposition) کے آئے تھے۔ جس نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ اسکے ساتھ انہیں یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مجھے شعراء کشمیر، خصوصاً مولانا غنی کے حالات کے متعلق مدت سے کتنی دلچسپی رہی ہے۔ اور اسکے متعلق میری کتنی تحریریں غیر متوقع انقلابات کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکیں۔ کیونکہ: "ایں عمر پنجروزہ ہزار انقلاب دید" — ہر انقلاب چودہ نہ کم از قیاس" کبھی "شعر العجم" کے نقش قدم پر کشمیر میں فارسی شاعری کی تاریخ "مآثر الشعراء" (۱۳۴۳) اور کبھی "تذکرۃ الشعراء" (۱۳۴۴) نام دیکر لکھنے کا تہیہ کر لیتا۔ کبھی "میخانہ" عبدالغنی کے تتبع میں شعراء کشمیر کے مالی نام جمع کرنے لگتا۔ اچانک غیر متوقع انقلابات آتے۔ اور سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیتے رہے۔ "کلچرل ہسٹری آف کشمیر" "تذکرہ بہ کشمیر" کے فاضل اور محترم مصنف ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب صوفی، اپنی قابل قدر تصنیف کی تحقیق و تدوین کے سلسلہ میں کئی سال متواتر کشمیر آتے۔ میرا تھا شعرا کشمیر کے کلام و حالات اور انکے متعلقہ روایت و درایت میں تطبیق کے مسئلہ میں ضمناً صلاح و مشورہ کرتے رہے۔ شوق نے پھر جوش مارا۔ مگر قدرت نے کسی موقع پر بھی ساتھ نہیں دیا۔ وقت نے مساعدت نہیں کی۔ حالات سازگار بننے کی بجائے بگڑتے ہی گئے۔ پھر بھی آتش شوق بجھنے نہیں پائی۔ طبیعت کو کل پرسوں کے وعدے دے دے کر برسوں ٹالتا رہا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں یہی کچھ ہوتا رہا۔ ہر کام میں ناکامی۔ ہر ارادہ میں مایوسی۔ بہانہ کے باعث کاروبار تو بھی خیر بادا ہوا۔ مگر یا ایہہ

میخانہ نہیں ۱۳۵۲

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

الحمد للہ والمنۃ خیر و طبیعت خیر ہی رہی - اور کبھی "بخشتم زصاحب پناہی" پناہ ہے + نہ خم شد سرم
پیش صاحبکلہ ہے" قدرت نے ہر حالت میں غیرانہ سے احسانمندی اور منت پذیری سے بچائے
رکھا - یہاں تک کہ خوشامدی بننا تو درکنار، کسی اقتدار یا جبروت سے طبیعت کبھی مرعوب نہیں ہوئی
کوئی دروازہ کھٹکھٹانا نہیں - کسیکے لئے کھڑا نہیں ہونا پڑا - اب جبکہ "پیری رسید و جوانی
طبع جواں گذشت" طبیعت میں وہ جوانی اور قلم میں پہلی سی روانی نہیں رہی - عزیز
مرزا صاحب نے صوف نے اسکوں کی مردہ رگوں میں اپنی جادو بیانی سے انجکشن کئے - خون میں
نئی گرمی بھر دی - شوق دیرینہ کی کھوئی ہوئی آگ پھر سلگائی - فراموش شدہ جوانیوں کی یاد دلائی
اور بالآخر پیری و ناتوانی کے مشکل کام میری ہی ذمہ ڈالدیا - اور مجھے تحدیث نعمت کے لئے سفر پر روانہ
کرکے ہی دم لیا ——— 'سفر کی مختصر ڈایری'

۲۵ فروری ۱۹۵۹ء - (۱۶ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ) کو سرینگر سے اڑہ کر جموں پہنچ گیا - ایک دن وہاں قیام
کرکے اگلے مارچ کو دہلی پہنچا - وہاں ۵ مارچ کی صبح سارنے پہنچے - رات ہو کر ساڑھے بارہ بجے
رامپور پہنچا - سٹیشن سے شہر صدر کوئی تین میل دور ہے - اسٹیشن کے نزدیک ہی ایک ہوٹل میں
عارضی طور پر ٹھہرنا پڑا - ڈیڑھ بجے کے قریب پہنچ گیا - لائبریری میں تین دن کی دعوت تھی -
۹ مارچ اتوار کو لائبریری میں گیا - پھر دو تین دن وہیں قیام کیا کمرہ بھی ملا - پہلے روز
بھی شروع ہوئے - یہ لائبریری دارالمطالعہ بھی ہے اور دارالعبرۃ بھی - نوابی کا فیضان
سرکاری محل ہے - دربار ہال کی نئی عالیشان عمارت، چوگلکاری و گلکاری کا بہترین نمونہ -
ہر گونہ زیب و زینت، نمائش و آرائش - رنگ و روغن - صفائی و زیبائی سے آراستہ ہے - اس لائبریری کی
خصوصیت کیا ہے - خوش قسمتی سے اس لائبریری کو جو ناظم ملے ہیں - وہ ایک متشرع عالم و فاضل
اور خلیق و خوش وضع بزرگ ہیں، اور عرشی صاحب کے نام سے پکارے جاتے ہیں - انکے زیر اہتمام اس
لائبریری کا حال بہترین انتظام ہے - وہاں اس تعمیر اور اسکے متعلقہ باغیچہ کی بھی دیکھ بھال اچھی طرح ہوتی ہے

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

بہ نسبت اس قلعہ کے دیگر محلات کے۔ جو دیگر مختلف سرکاری دفاتر کیلئے مخصوص کئے گئے ہیں

اس قلعہ میں توپیں لگی تھیں، فوجیں پہرہ دیتی رہتی تھیں۔ عوام کا گذر بھی نہیں تھا خاص ہی

خاص اجازت نامہ کے بغیر اندر نہیں آسکتے تھے۔ نہ کرایہ کی گھوڑوں کو اجازت تھی۔ مگر اب

بیک گردش چرخ نیلوفری" ۔۔۔ نہ وہ نادر رہا نہ وہ نادری" ۔ عوام کا کیا کہنا پیل

گاڑیاں بھی ایک دیوڑھی سے اگر دوسری سے نکلتی رہتی ہیں۔ سبزہ زاروں پر عوام کے بچے کھیلتے رہتے ہیں

نہ وہ رونق باقی رہی ہے۔ نہ وہ صفائی۔ گل و سبزہ حسرت سے خاک پر گرد پر اپنے سر پٹکتے نظر آتے ہیں

اور در و دیوار سے عبرت ہی عبرت ٹپکتی ہے۔ کھڑی عمارتیں جو کل تک طاقوں میں زیب و زینت

اور رونق کی دولھنیں بنی ہوئی تھیں۔ آج وہ حسرتوں کے مجسمے نظر آتی ہیں ۔۔۔ لائبریری میں

علاوہ ہر قسم کے پرانے نادرات کے۔ ہر فن۔ ہر موضوع اور ہر قسم کی کتابیں دونوں مخطوطات و

مطبوعات میں موجود ہیں۔ اور ایک لفافہ اٹھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔ نشستوں میں

مطلوبہ کتاب لاکر رکھ دی جاتی ہے۔ میں کوئی دس دن اس لائبریری میں مصالحہ کرتا رہا۔

قریباً پچیس نوادر دیکھے چھانٹے پڑے۔ دیوان غنی کے چار مختلف قلمی اور دو مطبوعہ نسخے

مقابلہ کرنے پڑے۔ مگر افسوس اصل مقصد یعنی غنی کے کلام میں کسی اضافہ یا ایک حادثہ کے متعلق

کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ بہرحال ۷ مارچ کو ایک بجے دن بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو کر شام کو لکھنؤ

پہنچا۔ چار دن یہاں بھی لائبریریوں میں پھرتا رہا۔ خصوصاً امیر الدولہ لائبریری میں۔ کچھ ہاتھ

نہیں آیا۔ ہمارے خاندان کی ایک شاخ لکھنؤ میں جا کر آباد ہوئی تھی۔ انکا سنا تھا۔ کہ دو ڈھائی سو

کتابیں بھی یہاں سے لیگئے تھے۔ انمیں دیوان غنی کا ایک اچھا نسخہ بھی تھا۔ وہاں جا کر دریافت کیا۔

سنا کہ خواجہ غلام الدین صاحب (برادر بزرگ مخلص) کی وفات (۱۹۱۳ء) کے بعد تمام کتابیں حویلی والے

کتب خانہ میں دیدی گئیں۔ وہاں گیا۔ صیام شریف کی تعطیلیں تھیں۔ کچھ پتہ نہ چل سکا۔

بہرحال ۲۲ مارچ کو ایک بجے بانکی پور پٹنہ کیلئے روانہ ہوا۔ ۱۲ بجے رات کو وہاں پہنچا۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

دوسرے دن مشہور خدا بخش لائبریری میں گیا۔ یہ لائبریری بھی دنیائے علم و ادب میں نادرات زمانہ کی ایک زبردست درسگاہ ہے۔ یہاں پر بہ نسبت دوسرے شہروں کے علمی چرچے کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتے ہیں کئی مروجہ علوم میں فارغ التحصیل ہوا۔ پی ایچ ڈی کے سلسلہ میں بعض پرانے قلمی شعرا کے حالات، سوانح حیات، مطبوعہ دیوان، اور اسی قسم کی تفحص و تنقید پر کام کر رہا ہوں۔ شہر کے اہل علم، بادراق اصحاب کا اکثر اس لائبریری میں آنا جانا ہے۔ یہاں پر مجھے بھی کئی بزرگوں کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ خاصکر جناب سید حسن عسکری صاحب پرانیفر اور قاضی عبدالودود صاحب (بیرسٹر ایٹ لا) قاضی صاحب نے لائبریری سے باہر کہیں سے دیوان غنی کا ایک قلمی نسخہ بھی حاصل کر کے میرے مطالعہ کیلئے بھیجا دیوان غنی کے جتنے نسخے میرے مطالعہ میں آئے۔ یہی نسخہ میں جو چیزیں میں ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ "دانت" کی ردیف والی غزل ہے۔ جسپر مرزا صاحب نے جواباً غزل لکھی ہے۔ "... یاد آیا ہے کہ دیگر شوق ہا پرسش" دوسری ایک مثنوی ہے۔ جسکے چند اشعار میں نے اپنی سرنگی میں ایک قلمی نسخہ کے تراشیدہ شدہ حاشیہ پر لکھے پائے تھے "سر پوش" والی غزل تو کہیں ملی نہیں۔ البتہ یہ مثنوی قاضی صاحب موصوف کی مرحمت فرمودہ نسخے میں تمام و کمال پاکر آئندہ اسکی تلاش کی فکر جاتی رہی۔ اس لحاظ سے مجھے الفاً زیادہ ممنون ہونا پڑتا ہے۔ میں ان کے اخلاق حمیدہ اور متواضع مزاج سے نہایت متاثر ہوا ہوں۔ خدا انہیں نیک دنیا ۔۔۔ ان دونوں حضرات سید صاحب اور قاضی صاحب کو تاریخ ملت و مشاہیر ملت کے علاوہ تواریخ اقوام و ملل اور ممالک و مسالک پر کافی عبور حاصل ہے۔ اس لائبریری کے لائبریرین محمد قاسم خان صاحب نے کریمانہ اخلاق سے میرے مطالعہ میں میری مدد کی۔ میرے مطلب کا جو بھی مواد انکی نظر میں تھا سب سامنے رکھوا دیا۔ یہاں پر دیوان غنی کے مطبوعہ نسخوں کے علاوہ پانچ قلمی نسخے دیکھنے میں آئے جو ہر اعتبار سے جدول کشیدہ، مطلا، اور خوش خط کوئی دیباچہ وغیرہ کسی میں نہیں۔ ایک نسخہ کسی محمد فیض اللہ خوش نویس نے لکھی "خواجہ محمد خان جو" نامی نے ۱۱۶۰ھ میں لکھوایا ہے۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

یعنی کوئی پونے سو سال غنی کے بعد کاتب نے سہو کتابت کی غلطیوں سے درگذر کرنے کیلئے

"بپوش گر خطائے رسی وطعنہ مزن — کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود"

لکھنے کے بعد ایک غزل بھی جو "صور بر خیزد" "گور بر خیزد" ردیف قافیہ میں ہے لکھی ہے

جسکا مقطع حاصل ہے — غنی تخلص کا — اس پنج بینی غزل کی تو میں ردیف "ال" کے آخر پر

ایک حاشیہ کے طور پر، لکھ رہا ہوں — کیونکہ مجھے اسمیں تردد ہے — کہ یہ کوئی کاتب کا اضافہ ہے — طرز ادا

اور انداز بیان دونوں غنی کا سا معلوم نہیں ہوتا ہے — یہ نسخہ بھی کشمیری کاغذ پر ہے — لکھوانے والے کے

نام سے معلوم ہوتا ہے — کہ وہ بھی کشمیری ہی ہے — کیونکہ نام کے ساتھ "لفظ جی" کا استعمال کشمیری میں

ہوا کرتا تھا — ایک اور نسخہ سال ھطا لوہ میں آیا — اسکا نمبر ۲۴۱۹ ہے — اسمیں بہت کچھ زیادتیاں

ہیں — ہے تو نسخہ پرانا — یہ بھی کشمیری کاغذ پر، جدول کشیدہ، مطلا اور خوش خط ہے — اگرچہ

تاریخ تحریر کچھ درج نہیں — مگر تاریخ خرید اسطرح پر ہے "دیوان غنی — خرید موقت سوالہ —

لم شوال ۱۰۵۱ھ" لہذا اس تاریخ سے پہلے ہی لکھا ہوا ہونا ضروری ہے — یہ نسخہ بھی کسی کشمیری ہی کی

(ابتدائی) ملکیت کا ہونا چاہئے — ورنہ اسکی ہر کس صورت میں "دیوان غنی کشمیری" لکھا جاتا — اسمیں

سو غنی غزلیں اور رباعیاں برابر نقل کرتا گیا — اگرچہ طبیعت انکو "غنی" کا کلام ماننے پر

تیار نہیں ہوتی تھی — ایک رباعی نقل کرنے پر بہت زیادہ بڑھ گیا — وہ اسطرح — پہلے رباعی سنئے :-

"از حق چو ندا شنید ممتاز محل — زود از ہمگی برید ممتاز محل

با خویش ہمیشہ تا دیر جنگ زدم — فردوس محل گزید ممتاز محل"

مضمون سے معلوم ہوا — کہ یہ رباعی ملکہ شاہجہاں کی وفات پر لکھی گئی ہے — اور مقتضی ہے اسکی تاریخ

وفات پر مصرعہ دوبارہ کا حساب لگایا — (۱۰۴۰ھ) نکلا — اب اسکی تحقیق کیلئے ایک دو

تاریخیں دیکھنی پڑیں — شاہجہاں نامہ، تذکرہ سلاطین جغتائیہ — یقین ہوا یہی سن ہے ملکہ ممتاز محل کی

انتقال کا

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

بھی حال ہے کئی اور رباعیوں کا — جو یا تو بادشاہ کے گھوڑے کی تولیف میں ہیں - یا اور کسی قسم کی
مدح میں، — باقی رہیں غزلیں نسخے میں تو ان میں بعض کے مقطعوں پر غنی تخلص دیا گیا ہے
اور بعض ایسے ہی بلا مقطع - یا بلا تخلص کے - مگر طبیعت باوجود اس کے پہچان لی - انداز بیان -
اور انداز گفتگو تغزل و تسلسل سے یہ کلیم کا کلام معلوم ہونے لگا - اب تحقیق کرنے دو نسخے
دیوان و کلیات کلیم کے اور سر سری نگاہ ڈالنے پڑے — اور شکر ہے خدا کا - کہ میں سر غلط نہ تھا -
اور تقریباً سب غزلیں اور رباعیاں کلیم کے دیوان میں درج پائیں - پھر میں نے ردیف بنا کر
ایک غزل لکھ لی گئی پائی - جس کا مقطع نسخہ میں اس طرح پر ہے: —

گاہ عریاں از جنوں چوں شمع میگردد غنی - گاہ چوں فانوس در آید سراپا پیرہن —

یہ غزل بھی کلیات کلیم میں اسی طرح اور اسی ترتیب سے درج ہے - اور غنی کی بجائے "کلیم" لکھا ہوا -
پھر اورینٹل کالج میگزین ۶۱۱ ماہ اگست ۱۹۲۸ء میں غنی کا مختصر تذکرہ فارسی میں ۱۰ صفحہ پر
دیا پایا - جس میں غنی کی وفات کے متعلق اس طرح لکھا گیا ہے - "در غرۂ تاریخ جلتش
بطریق تعمیہ گفتہ: - افتاد بر زمیں سخن از دوش غنی" حساب لگایا - تو ۱۰۸۰ ماہ نکلی
خیر اس بحث میں کیا رکھا ہے = اب یہاں سے فارغ ہو کر بمبئی چلے جاتا ہوں:-

یکم اپریل کو عید الفطر گرج چمک چھاجا دھار اور ژالہ باری ہوئی - اور جو سم کسیقدر خوشگوار ہوا -
کوئی آٹھ بجے پٹنہ سے روانہ ہو کر میں دوسرے دن ۱۰ بجے صبح دہلی پہنچ گیا - اسکے دوسرے دن جمعۃ الوداع کی
نماز جامع مسجد دہلی میں پڑھ کر چار بجے کے قریب ڈیلکس ریل میں روانہ ہو کر دوسرے دن تین بجے کے
قریب بمبئی پہنچا - روز - لمبا سفر - پیری، سخت تھکا دیا تھا - کیونکہ ڈیلکس میں کرسی پر ہی
سو جانے کی بجائے اونگھنا ہوتا ہے - کئی ہوٹلوں میں کمرہ کی تلاش کی - نہیں ملا - اپنے ایک عزیز کے ہاں
جا کے ٹھہرنا پڑا - جو وہاں اپنا کاروبار کرتا ہے - ۵ کو الٹا رہا تھا - ۶ کو یونیورسٹی لائبریری میں گیا

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

کافی بڑی لائبریری ہے۔ اس یونیورسٹی والوں کے ساتھ اکیڈمی کی جو خط و کتابت ہوئی تھی۔
اسمیں انہوں نے حوالہ اپنے شائع کردہ کیٹلاگ کے غنی کے متعلق تین چیزیں دکھلائی تھیں
(۱) دیوان غنی (۲) مثنوی (۳) (ایک اور مثنوی) جنگ نامہ کیٹلاگ میں پھر اسطرح
دیا گیا ہے۔ غنی کا دیوان تو ہے ہی۔ (۲) مثنوی۔ وہی مجو حجام والی مثنوی ہے۔ جو مطبوعہ
دیوان غنی میں موجود ہے۔ یہاں اسکو الگ دکھایا گیا ہے۔ (۳) پھر ایک جنگ نامہ۔ یہ تو
سنے کہ ایک نئی چیز تھی "غنی" کے متعلق تفتیش و تحقیق پر لگے ہوئے آدمی کیلئے یہ نئی چیزیں
(الگ مثنوی اور جنگ نامہ) اور الگ دستیاب ہونا جسقدر دلچسپی کا باعث ہے۔ اسکا
اندازہ تاریخی حوادث کے مستند شی طبائع ہی اچھی طرح لگا سکتے ہیں۔ بہرحال لائبریری میں
گیا۔ ڈھونڈا۔ شریف الطبع لائبریرین مسٹر فارنیل نے سب کچھ نکال دکھلایا۔ مگر۔ "جو چیرا
تو اک قطرۂ خون نکلا" — نئی قسم کی سِتم ظریفی۔ دیکھکر مایوسی بھی ہوئی۔ اور ہنسی بھی آئی۔
لائبریرین صاحب بھی، جنہیں خود فارسی کے ساتھ کوئی مس نہیں۔ ماجرا سنکر خوب ہنسے پڑے
کیفیت اسطرح ہے۔ کیٹلوگ دیلیوم ۱۹۰۴ء میں دیوان غنی ۹۱ دیا گیا ہے۔ یہ ۴۹/۹۱ اکٹھے دو دیوان
نامرغلی سرمندی اور بہار غنی کے۔ اسمیں جلد میں ایک ساتھ جلدؔ، چھوٹی بغلی تقطیع پر لیتھو
خوش خط اور صاف خطؔ۔ پرانا ہی چھپا ہوا ہے۔ تاریخ وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ اور قابل ذکر بھی کچھ نہیں۔
دوسرا ۱۲۱/۱۷ نمبر ہے۔ یہ ایک بیاض (سفینہ) ہے جسمیں مختلف مثنویاں درج ہیں مثلاً
"سوز و گداز" "لولو غنی" "ہفت بند" اور مثنوی (۳) جنگ نامہ (جنگ جانشینی) وغیرہ وغیرہ۔
فہرست کیٹلاگ میں یہ جنگ نامہ غنی کیطرف منسوب ہے۔ اب اسکی سند بھی سننے اور داد دینے کے
قابل ہے۔ فہرست پر ہی ایک سطر جسمیں لفظ غنی محض لکھا ہوا آیا ہے اسناداً درج کیا گیا ہے۔ یعنی
"غنی چون زد صف آں دلبا پرورست — بمقصود باز آمدن بہتر است" یہ دیکھکر کچھ
حیرت بھی ہوئی۔ اور تعجب بھی۔ ہنسی آئی اور بیکا بکا رہ گیا۔ پھر دیکھکر لائبریرین صاحب آپ ہی آپ
ہنستے ہوئے سر ہلانے لگے۔ میں سمجھا یا۔ وہ مسکرانہ انداز میں سر اٹھا کر نوٹ کرنے لگے

CC-0. JNTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

کیونکہ وہ شائع شدہ کٹلاگ کی غلطیاں اور خامیاں دور کرنے کے لئے ایک نئے اور صحیح کٹلاگ کا خاکہ
تیار کر رہے ہیں۔ لیکن لگتا ہے اگر آپ یہاں نہ آتے۔ یہ غلطی جوں کی توں ہی رہ جاتی۔ اس دن دو پہر
ڈھیرہ ہو گیا۔ رات کو خیال ہوا۔ چونکہ یہ کٹلاگ خدا جانے کتنی الماریوں میں پھیلی ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ مثنوی میں
کئی کئی گدا ایسا کچھ مواد موجود ہو۔ جو اب غنی کشمیری کی کلیات مثنوی کے ساتھ ہوا ہو لہٰذا
کل پھر الماریوں میں گیا۔ میز کے ارد گرد میز کرسی کا انتظام ہوا اور منتقل کرنے بیٹھ گیا۔
طبیعت پر گرانی کو اپنے غنی کا کلام ملنے پر بیمار ہو گئی۔ دوسرے دن ایک نئی سرخی ہر پیدا
"باز آمدن ہر سہ دوستاں"۔ اس باب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے "بیا یوسف از ہر اطراف کشتی
حکایت کن از تیغ و تیر و سناں"۔ یہ دیکھتے ہی کتابیں نذر کر دی قلم اٹھایا۔ اور الماریوں کو
پھر جا کر سب الماریاں دیکھیں جلدیں۔ اب اس کٹلاگ میں دی ہوئی دوسری مثنوی کا بھی پتہ
چلا کہ اڈیٹر کیا گیا۔ یہ وہی پہلے حجام والی مثنوی ہے۔ مگر یہ بھی صرف تین یا چار صفحے
اور بس، مگر۔ جو ایک صفحہ کی آخری تین سطروں پر ہے اور اگلے صفحات ہیں۔
اسی کٹلاگ میں ایک حوالہ پایا۔ جامع مسجد بھوپال کے کتبخانہ میں دیوان غنی کے ایک نسخہ کا۔ اب
وہاں بھی گیا۔ پہلے تو وہاں کا الماریوں میں ڈھونڈتا رہا۔ دوسرے دن مالک۔ فہرست مرتبہ میں دیوان
غنی کا نام ڈھونڈتے ڈھونڈتے پایا۔ الماریوں میں ڈھونڈتا رہا۔ بڑھاپا، دوربین۔ گرمی۔ تیسرے دن
سخت تھک گیا۔ اتنے میں لائبریرین صاحب کو یاد آگیا۔ اور کہا۔ کہ چند قلمی عربی فارسی کتابیں
جو الگ رکھی گئی ہیں۔ کیونکہ ان پر کوئی نام نہیں تھا۔ مطالعہ کے ہال میں ایک الماری میں کئی عربی
فارسی کتابیں دیکھیں۔ انہیں میں ایک نسخہ دیوان غنی کا ملا۔ بے نقطہ۔ مگر بلا کسی کوشش کے
اب مجھ سے ہی ان ساری کتابوں پر نام لکھوائے گئے۔ راجپوتانہ میں سنا تھا۔ کہ جناب یار فقیر نے
غنی کے متعلق "نگار" میں دو تین سال قبل ایک مقالہ لکھا ہے۔ انجمن اسلام لاہور کے تحقیقی مجلہ میں

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

وہاں فارسی لٹریچر کچھ بھی نہیں ۔ مگر یہ "نگار" کا شاید پانزدہ بلکہ ڈھائی سو مجلد مجموعہ

اسمیں ڈھونڈا کچھ نہیں ملا ۔ میرجی رانا لائبریری اور دوری دوا بکہ لائبریریوں میں گئے

پر گیت خالی ہاتھ آنا پڑا ۔ لہذا 19 راپریل دیتوار کو بمبئی سے دلی دہی روانہ ہوا ۔ دہلی

ریلوے سٹیشن پر کسی گرو کنٹ نے ایک ہرجھا مارا ۔ اپنا رکے ضروری اخراجات کیلئے پیسے نکالکر

22 کی شام کو وہاں سے روانہ ہوکر 23 کو پٹھانکوٹ ۔ اور 24 کو گڈھ سے روانہ ہوکر

شام کے پانچ بجے سرینگر پہنچ گیا ۔ جموں کے راستہ سے میرا یہ پہلا سفر تھا ۔

اب باقی رہتا ہے روسی سے حاصل کئے ہوئے سیکرو فلم نسخہ کا متعلق ۔ یہ عکس نقل جناب

صدر ریاست شہزادہ کرن سنگھ جی بالقابہ اپنے دورۂ روس کے دوران میں ماسکو کی لائبریری

اپنی لائبریری کیلئے حاصل کرکے اپنے ساتھ لے آئے تھے ۔ اسکے متعلق پہلے ہی ہوم منسٹر خانہ کے

ساتھ جب کہ پہلے لکھا جا چکا ہے خط و کتابت ہوئی تھی ۔ اس عکسی نسخہ کو بڑی محنت سے مشین پر

دیکھکر معلوم ہوا ۔ جو شہرت اور اہمیت اس نسخہ کو دیگئی تھی ۔ وہ شخص پر اگندہ تھا ۔ پھر

کہنا پڑتا ہے ۔ کہ بہت سوچتے تھے پہلو میں دل کا ۔ جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نکلا ؟

وہی نولکشور نسخہ وہی تمہید ۔ وہی دیباچہ ۔ بلکہ سنہی اور دیگر تفصیل مذارد ۔ اس نسخہ کی

انتظار نے ہمارا بہت وقت ضائع کیا ۔

اس ہندی ڈایری کے اختتام پر مجھے یہ درج کئے بغیر رہا نہیں جاتا ۔ کہ بدوران

مطالعہ جو مختلف نسخے ان لائبریریوں میں میری نظر سے گذرے ۔ خواہ وہ دواوین کے نسخے تھے ۔ یا

تاریخ و تذکروں کے ۔ کم از کم اسی فیصدی کتابت کشمیری کاغذ پر تھے ۔ اور افسوس

ہماری ایک وقت کی ہندوستان بھر میں مشہور اور کارآمد یہ یادگار صنعت اب بالکل مرچکی ہے

اور اسکے احیاء و ترویج کیطرف کوئی توجہ نہیں کیجاتی ہے حالانکہ اب نسبتاً فرصت بھی

بہت زیادہ ہے ۔ اور صنعت کے اسباب و مواد کی بہتات اور افراط بھی ۔ اسکے

ساتھ ایک چھوٹی سی صنعتی تعلیمی ورکشاپ کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے ۔ جسکی اس زمانہ میں بہت ضرورت

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

دیباچہ میں جہاں غنی کی فطری قابلیتوں، ذہنی صلاحیتوں، فنی مہارتوں، اور دماغی پریشانیوں کا تذکرہ کیا جانا ضروری ہے۔ وہاں اُنکے حالاتِ زندگی کا تذکرہ اہم اور مقدم ترین مسئلہ ہے۔ مگر افسوس موجودہ زمانہ میں یہ مسئلہ جسقدر اہم اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اُسیقدر یہ تاریکی اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ بعض تذکرہ نویس تو دورِ صفوی کے متمول و خوشحال باشندے اور بقول مآثر الامرا، افصح المتاخرین ملک الشعراء ایران مرزا صائب، کو محض غنی کی ملاقات، اور اُن سے ایک لفظاً کرایہ پر، کے معنی دریافت کرنے کے لئے اس زمانہ میں جبکہ مرزا کی عمر اٹھائیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ تو یا دو سالہ سفر پر آمادہ کرکے دوبارہ کشمیر لے آتے ہیں۔ بعض تو مرزا صائب کے اسی دور دراز سفر کی غرض و غایت اپنی عمر بھر کی کمائی (دیوان) کو مولنا غنی کے حوالہ کرکے اُن سے ایک شعر

"حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر ۔ دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم"

کا صلہ اپنے نام کرانے کی بتاتے ہیں۔ مگر انہیں سرسبز میں اوقت پہنچا دیتے ہیں جبکہ مولنا کا جنازہ نکل رہا تھا۔ لہذا انہیں اپنی ماحولہ سودا میں حسرت کے ساتھ ناکام واپس لوٹا دیتے ہیں[1]۔ ایسی ناقابلِ قبول اور ناقابلِ تطبیق روایتیں تو نقل کرتے ہیں مگر افسوس خود غنی کی زندگی و دیگر حالات متعلقہ کے بارے میں تحسینی تفحص سے کچھ کام نہیں لیتے ہیں۔ کوئی باوثوق خبر نہیں دیتے ہیں۔ کسی کو تشنہ کا ذکر بھی نہیں کرتے ہیں۔ یہانتک کہ مولنا غنی کے باپ کا نام بھی کسی تذکرہ نویس نے دریافت نہیں کیا ہے۔ معاشرہ وجہ بھی مشہ۔ سنہ ولادت، سنہ وفات، عمر، حیات، مقامات قیام سرائیدوں میں گم، اور مختلف فیہ اتنا ہی نہیں بلکہ قبر کے متعلق بھی یہ اختلاف ہے۔ کہ فیصلہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ماننے اس سلسلہ میں دو تین درجن تذکرے اور تواریخ دیکھے۔ لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔ خود مولنا نے بھی اپنی دو دو اعضا کے نہ کرنے کی وجہ صراحت نہیں کی ہے۔ اور اس وادی کا پیچ در پیچ راستہ

[1] "بیتابی بیجا" نذر گوشی

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر ہی طے کرنا ہے - قرائن سے کام لینا ہے - قیاسی گھوڑے
دوڑانے ہیں - اشارات و کنایات ڈھونڈ لگانے ہیں - اور آخر میں واللہ اعلم بالصواب
کہکر ہی قصہ ختم کر دینا ہے - اسکے بغیر اور کوئی چارہ نہیں - اگرچہ ذہن سلیم کے پاس
تحقیق طلب میں شکوک کے کانٹے چبھتے ہی رہینگے -

ولادت :-

سلسلۂ حیات کی پہلی کڑی ولادت ہے - مولنا غنی کی ولادت کا صحیح
پتہ لگانا اجمالی تذکروں اور تواریخ کا تعلق ہے - ناممکن ہے - بعض تذکرہ نویس تو
انکی جائے پیدائش کی عمر بھی پوری بیان کرنے دیتے ہیں - مگر ادھر تو میرزا صائب کا کشمیر آنا
ایک حیثیت تو تقریباً مسلمہ ہے (اگرچہ غلام اعظم مورخ اپنی مشہور تاریخ میں جو بعینہٖ
حال کیجاتی ہے - صائب کے کشمیر آنے کا کچھ ذکر نہیں کرتا - اس نے صرف طغرل خاں کے
ہمراہ کابل سے آنے - اور وہیں سے واپس ایران بھیجے جانے کا ذکر کیا ہے) - دو حیثیت سے کہ قطعیت
اور اکثر حصہ مورخین کے ہاں بوجوہ ناقابل قبول ہے - (۲) پھر میرزا صائب کے ساتھ
مولنا غنی اور دیگر شعراء وقت کی ملاقات "باہم پرورش صحبتیں" - اور
اسکے ساتھ میرزا صائب کا طغرل خاں احسن ہی کی پہلی مرتبہ گورنری کے ایام میں کشمیر آنا
یہ سب حیثیت مورخین کے ہاں مسلمہ ہے - طغرل پہلی مرتبہ بقول اعظم ۱۰۴۳ھ میں
۱۰۵۱ھ تک کشمیر میں رہا - جب صائب کا کشمیر آنا اسی دور میں ہوا - تو مولنا غنی اسوقت
جوان تھے - جوانی میں ہی شعر و سخن کے شہسوار بن چکے تھے - جبھی تو میرزا صائب اپنے منتخب دیوان میں
دو سو اشعار منتخب کرکے اپنی بیاض میں درج کر دیتے ہیں - جس بیاض کے نقول اسوقت بھی
دستیاب ہو سکتے ہیں - چنانچہ میر علاء الدولہ نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرۃ الشعراء" میں
یہ اشعار اسی بیاض سے اس عبارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں -

CC-0. JNTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

"... اشعارش اول از بیاض مذکور - و باقی از انتخاب دیوانش که تولف تذکرہ نمودہ
واز دیگر تذکرہ ہا و سفینہ ہا مرقوم میشود ..." — (۱۲) ایسی روایات بھی ہیں
کہ غنی نے خفہ میر امانت اور ظفر خاں کے مصرعوں پر مصرعے جسپاں کر دئے ہیں جبکی
تفصیل مناسب موقع پر آتی ہے — (۱۳) قہرمانی سلیم طہرانی (مدفون مزار الشعراء دگچی
سرینگر) کا معاصر غنی و صائب و کلیم و فہیم - کے بارہ میں مشہور ہے - کہ وہ اپنے ہمعصروں
اور پیشروں کے تازہ مضامین کو اپنے اشعار میں اڈنے میں چنداں مضایقہ نہیں سمجھتا تھا -
اور پھر خصوصی ہمعصروں بالتخصیص صائب کے متعلق اس قسم کی شکایت بھی کرتا رہا -
چنانچہ اسکا ایک ہمعصر - ملا دوارستہ اسکے متعلق میں کہتا ہے : —

خط کہ نکردی بکلام اللہ ہست — بیت کہ نبردی تو بیت اللہ ہست ؟

اسکے برعکس غنی بلحاظ مضمون آفرینیوں میں اپنی انفرادیت کے ایسی الوداگیوں سے اپنی طبیعت کے
دامن کو بچائے رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں - مولانا غنی کی ایک نثر بھی خوش قسمتی سے
ہمارے ہاتھ آئی ہے - جو نسخہ ہذا کے صہ ؟ پر درج کیگئی ہے - اسمیں غنی دوسرے کے
مضمون کو اپنا بنا کر دکھانے کی کیا بات "نوادر" میں بھی "بحکم مفتی عدل و انصاف"
فتوی صادر فرماتے ہیں - کہ ایسا مضمون تقدم زمانی کے لحاظ سے پہلے باندھنے والے ہی کیلئے
چھوڑنا اسی کا حقدار ہونا چاہیئے — اور یہ کہ مولانا نے خفہ ایسی ہی ایک غلط تہمت پر
کچھ درت کیلئے باوجود احباب کے اصرار کے (یہ تہمت غلط ثابت ہونے تک) شعر کہنا ہی
چھوڑ دیا تھا - پھر اسی نثر میں کہتے ہیں اور دعوی کے ساتھ کہتے ہیں - کہ
"مرنداریم زاشعار کے مضمون را — طبع نازک سخن کس نتواند برد"
مختصراً وہ کسی کے مضمون کو چھیننا اپنے لئے عار سمجھتے تھے - اور کسی نے ان پر ایسا الزام بھی
نہیں لگایا - سلیم بلدکی اختلاف کے مطابق ۱۰۵۷ھ میں بعمر سرینگر ہی میں مرا - اور

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

در گنجینۂ "ہزار الشعرا" میں دفن ہیں۔ سلیم کے دیوان میں ایسے اشعار بھی ہیں جو غنی کے اشعار کے ساتھ ملتے ہیں۔ مثلاً نمونہ کے طور پر:— غنی کا شعر ہے:۔

ہر کس کہ دید روئی تو دیوانہ میشود — آئینہ خانہ از تو پریخانہ میشود
آئینہ از رخ تو پریخانہ میشود

یہی شعر کا دوسرا مصرعہ دو غنی لکھنؤ میں دو مقامات پر ہے — اور دو تذکروں میں بھی "آئینہ از رخ تو پریخانہ میشود" ہی ہے — اب سلیم کا شعر بھی سنئے:۔
جسمیں "مشام" سے کام لیا ہے:۔
"مشام را جمال تو دیوانہ میکند — آئینہ را رخ تو پریخانہ میکند"

صائب کا ایک شعر بھی اسی طرح کا ہے: "انتخال" ہے۔

"دلرا نگاہ گرم تو دیوانہ میکند — آئینہ را رخ تو پریخانہ میکند"

غنی کی غیور طبیعت جب کہ وہ خود دعوی کے ساتھ کہتے ہیں سلیم یا صائب کے مضمون کو چرا نہیں سکتی — پھر اگر ایسے مضامین رہ گئے ہونگے — تو غنی ہی سے یقیناً رہ گئے ہونگے سلیم چونکہ پہلے ہوا ہے — لہذا ماننا پڑیگا — کہ سلیم سے پہلے غنی ہی نے ایسے مضامین باندھے تھے

(۵) اسکے علاوہ خود غنی نے خود اپنی نسبت اگر کسی چیز کی شکایت یا بیماری کوئی تصریح کی ہے وہ یا تو آنکھ درد اعضا میں مبتلا ہو کر دائم المریض رہنے کی ہے — یا پیری و عوارض پیری کی مثلاً:

(۱) "موئی سر کردم سفید اما خیالت در سرست + اخگرے پنہاں بہ ایں قدہ خاکستر ست"

(۲) "بسکہ مانند کمان پیکرم از پیری کاست + تا بگیرد کرم کس نتوانم برخاست"

(۳) "ریخت دندان زدہش رفت جوانی برباد + آہ زیں نالہ کہ در مزرع بختم افتاد"

(۴) "از ضعیف پیری ست مرا نکیہ بر عصا + گردم ہنوز ہر زہ چو طفلان نہ سوار"

(۵) "از پیری ریخت دندانم ندادم تن بیادی + بہاری آخر ایں تیغ چی اجلی گم کردم"

(۶) "از پیری جہاں گشتہ لم ما توان + کہ دندان بگیرند جائے زبان" — وغیرہ

ان ہی اشعار اور ایسے ساتھ دیوان غنی میں سے ایک درجن ایسے اشعار ہے جن میں

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

جن میں
مولانا نے امراض و درد اعضا کی شکایت کی ہے۔ جناب مولوی اکرام الٰہی صاحب سلیم ایم اے نے
اس وقت عمر ۵ سال ۲ ماہ تھی نومبر ۱۹۲۶ء میں استدلال کرکے اور تمہید دیوان غنی
مطبوعہ نولکشور کے اس فقرہ کا حوالہ دیکر کہ "از پیکر ہیولا تپش پوست و استخوانے ماندہ بود"
لکھا ہے۔ کہ "عین شباب میں اعضا کا اسقدر ضعیف ہونا مستبعد خود ہے۔ اور
طاہر کہ جب پیری کا صریح ذکر موجود ہو۔ تو صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مولانا نے
عالم شباب میں نہیں بلکہ عالم شیب میں وفات پائی"

(۲۶) مولوی اکرام الٰہی صاحب محولہ بالا مقالہ میں مولانا غنی کے اس شعر سے کہ :-
"گلشن کشمیر را مثل شادابی کم است + گرگل آنجا نمایان است آں ہم بے نم است"
استدلال کرتے ہیں کہ یہ "تحریر اس وہ ہے۔ اس قطعہ کیطرف جو کشمیر میں ترسیت خان کی گورنری کے
زمانہ ۱۰۵۲ھ-۱۰۵۳ھ میں پڑھا تھا" اس شعر کے علاوہ صراحت سے قطعہ کا حوالہ دیکر
لکھتے ہیں "دو خلق سرگرداں ہمہ از قحط آب دانہ اند + ہر کرا دیدیم خیراز آسیا در گردش است"
پس وہ محمد طاہر کی یہ روایت جسکو مخفیہ اسکے شاگرد سرخوش نے "کلمات الشعرا" میں
دہرایا ہے۔ کہ لفظ غنی کے اعداد ۱۰۶۱ تاریخ ہے مولانا غنی کے شاعری ترویج کرنے اور
تخلص رکھنے کی۔ اور یہ کہ "... مرغ روح سرخوش در عین شباب بے پنجہ شاہین اجل گرفتار گردید"
انکی تحقیق بھی باطل اور اختراع اور خوش فہمی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ یہ لکھتے وقت روایت سے کوئی کام نہیں لیا گیا ہے۔ اور افسوس کی بجوک
آنے والے تذکرہ نویس نے بھی اسی روایت کو فقیر کی لکیر بنا کر آگے بڑھانے لگے۔ چنانچہ
ڈاکٹر ریو نے بھی اسی روایت پر اعتبار کرکے غنی کی وفات "عین شباب" میں لکھی ہے
کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جائے تو مولانا غنی کے "ظفر خان"، "صائب"، "قدسی"، "سلیم"، "کلیم"
وغیرہم معاصرین وقت کے ساتھ "مشاعرے" اور "پیر مذاق صحبتیں" ایک دوسروں کے مصرعوں پر

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

حصے جسپاں کر دیئے وغیرہ کی متعدد و متواتر روایات کو غلط ثابت کرتا ہے گا۔
جو تاریخی لحاظ سے ناممکن ہے ——

باقی رہی میرزا صائب کا دوبارہ محض مولانا غنی کی ملاقات کیلئے ایران کے ایک سفر سے کشمیر تک کا دور و دراز — جانی و مالی ذمہ داریوں سے پر خطر — اور زمین و زمان کے خطرات کے احتمالات سے پر آشوب سفر اختیار کرنے کی روایت — محتاط و محقق مورخوں نے اس روایت کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے — طبع سلیم بھی روایتہً اسکو تسلیم کرنے میں عذر پیش کیا ہے — کیونکہ میرزا صائب کشمیر سے جاتے ہی باپ کے ساتھ ایران چلا گیا — جہاں اسکی ہنرمندی اور خاطر خواہ قدردانی کے علاوہ دربار ایران میں کامیاب رسائی حاصل کی شاہ طہماسپ صفوی نے بڑی عزت و احترام سے لیا" بہاں تک کہ شاہ عباس ثانی کی تخت نشینی (۱۰۵۳ھ) کے ساتھ ہی وہ "ملک الشعراء" ایران کے ممتاز لقب سے نوازا گیا — اب تک باقاعدہ دربار کے ساتھ وابستہ رہا — شاہ عباس کے مرنے (۱۰۷۷ھ) تک وہ برابر اسی طرح رہا

اس اثنا میں اسکا ڈیڑھ دو سال کیلئے (جس میں ایک گونہ لڑکپن شاہ کی ملاقات کیلئے) دربار سے غیر حاضر رہنا ناممکن تھا مگر اس کے بعد اس نے شاہ عباس کے جانشین کے عہد میں بھی اپنے عہدہ پر بحال رہنے کی کوشش کی تھی — مگر ایک قصیدہ کی عشقیہ تشبیب کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا — اب کافی بوڑھا بھی ہو گیا تھا — لیکن بہرحال وہ حاضر دربار خیر آباد رہا

خود اپنی تصنیف "مرآۃ العالم" میں لکھتا ہے کہ "عمر دراز یافتہ" — اور پھر عالم پیری قوت بھی ہوا — ادھر عالمگیری عہد میں ایسے شاعر کیلئے کسی معقول کشش کا کوئی امکان بھی نظر نہیں آتا ہے — جو اب ایک دفعہ قریباً آٹھ سال ہندوستان میں بھرنے کے بعد دوبارہ بے آنکی — تعجب ہے — اسی روایت کو (یعنی صائب کے محض مولانا غنی کی ملاقات کیلئے دوبارہ کشمیر آنے کی روایت) مولانا اکبر خان صاحب نجیب آبادی نے بھی اپنی چھوٹی سی تصنیف

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

"سوانح مولانا غنی" میں اپنایا ہے۔ جو انہوں نے مثنوی میں فوق کے اعزاز کے
اب مولانا غنی کے تخلص رکھنے کی دوسری شق بھی زیر بحث میں آسکتی ہے۔ وہ یہ کہ ۱۰۶۱ھ
سے پہلے شاید طاہر تخلص کرتے تھے۔ پھر اس سنہ میں غنی رکھا۔ یہ ایک نظریہ مولوی اکرام اللہ
قائم کردہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تخلص میر آلہی شاعر کی تاریخ وفات سے ظہور میں آیا ہے۔
جس نے تاریخ وفات میر آلہی ۱۰۶۱ھ لکھی ہے" — یہ درست نہیں۔ طاہر اس قطعہ کے علاوہ اور
جگہ بھی آیا ہے اور حضرت تاریخ سے پہلے ۱۰۶۲ھ لکھتے ہے لہذا ایسا نہیں ہو سکتا۔ (۲) حزیں
طائب نے اپنی بیاض میں غنی کے جو اشعار منتخب کئے ہیں۔ ان میں غنی کی پہلی غزل کا
مقطع "غنی روز سیاہ ....." بھی ہے۔ پھر تضمین مرزا طائب میں غنی ہی بھا گیا ہے
نہ کہ طاہر "اس جواب آں غزل طائب کہ میگوید غنی" — یعنی مرزا طائب کی
بیاض تک کشمیر (۱۰۴۳/۱۰۵۰) کے زمانہ ہی میں غنی تخلص اختیار کیا گیا تھا۔
(۷) "بستان سخنوران" میں فضل علی قانی مؤلف نے مولانا غنی کے کلام کا نمونہ دیتے
ہوئے لکھا ہے کہ "ظفر خاں احسن ایں مصراع گفتہ نزد او (غنی) فرستاد۔ مصرع
ظفر خاں "ای لالہ دل بہ ابر بہاراں چہ بستہ نی" — داد (غنی) بدیہہ مصراع
رسانید جاں بقالب مصراع ثانی دمید (غنی) "داغے کہ بر دل است بشستہ
نمے رود"۔ — اگر ظفر خاں کے دوران حکومت کشمیر کا قصہ ہے۔ تو یہ یا تو ۱۰۴۳ھ
میں ہو سکتا ہے یا ۱۰۵۳ھ میں۔ اور اگر کشمیر سے جانے کے بعد غنی کے پاس بھیجا گیا ہے
تو بھی ماننا پڑیگا کہ ظفر خاں اپنے زمانہ گورنری میں غنی سے اچھی طرح واقف تھا
بہر صورت ۱۰۶۱ھ سے پہلے ہی مولانا غنی کا اس سخنگو، سخن شناس، اور سخن پرور
حاکم سے بحیثیت شاعر طاہر، روشناس ہونے کی بیّن دلیل ہے۔
(۸) اب والہ داغستانی کی بھی سنئے:۔ ریاض الشعرا میں "قہر طاہر غنی" مرحوم کے

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

تحت لکھتا ہے ۔ دد از مردم کشمیر بود ۔ در زمانے کہ ظفر خان احسن
ناظم صوبہ کشمیر بود ۔ مرزا صائب بہ تکلیف خان مزبور وارد آنجا شد۔ غنی
مرحوم صحبت مرزا را دریافتہ ۔ و با ابو طالب کلیم دعا سلام قدیمی، در
ہمان اوان صحبتہا داشتہ ۔ غرض کہ در شیرینی زبانی، روانی الفاظ، لطافت
معانی، او مقبول ہمہ بودہ ۔۔۔ ، (یعنی ساری عمر وقت غنی کے معانی اور
اشعار کو پسند کرتے تھے اور یہ کہ وہ انکی مجلس میں ہمیشہ شریک رہتے تھے)

غنی ۔ کلیم کی تاریخ وفات لکھتا ہے ۔ اور اسمیں ایک مصرعہ ۔
"عمرہا در یاد او زیر زمیں ۔ خاک بر سر کردہ قدسی سلیم" ، وفات کلیم ۱۰۶۱ھ کا
واقعہ ہے ۔ یعنی اس سے بہت پہلے قدسی و سلیم مر چکے تھے ۔ سلیم جیسا کہ
اوپر کہا گیا ۱۰۵۸ھ میں اور قدسی اس سے بھی دو برس پہلے ۱۰۵۶ھ میں مرا ہے
مضمون میری وفائے خلوت لمبا ہوتا جاتا ہے ۔ مگر چارہ ندارد ۔
ان ساری توجیہات کی بنا پر ہمارا گمان یہ ثابت ہوتا ہے ۔ کہ مولانا غنی
۱۰۵۰ھ سے بھی بہت پہلے شاعری شروع کر کے اپنے لئے ایک نام اور شعرا میں
میں ایک خاص مقام حاصل کر چکے تھے ۔ اور یہ کہ وہ جوانی میں نہیں بلکہ
پیری میں شعر کہتے تھے ۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے جبکہ انہیں پیری کی وجہ سے
عینک بھی لگانی پڑی تھی ۔ "نیست عینک کہ نہادیم ز پیری بر چشم ۔
نگہ از شوق جمال تو ز سر بر نگشت" ۔ ہمارے خیال میں اب اس میں شک کرنے کی گنجائش
نہیں رہتی ہے ۔ اور نا ہی فرید تجیہ کی تجویز ۔ ہم تو یہاں سنہ ولادت کے بارہ میں
بحث کر رہے تھے ۔ اور اسمیں ہمیں بہت آگے نکلنا پڑا ۔ مگر ساتھ ہی الجھن میں
کئی اور ضروری مراحل بھی طے ہو گئے ۔ وفات کے بارہ میں ۱۰۷۷ھ سے ۱۰۸۳ھ تک کا عرصہ
تواریخ میں ملتا ہے ۔ جس پر بحث آگے آئیگی ۔

CC-0. INTACH Kashmir Digitized by eGangotri Trust

فردوسی، سلیم، کلیم اور میرزا صائب کے ساتھ بھی جو جذباتی طرفداری اختر "بابم"
پُر لطف صحبتوں کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اور اگر یہ سب درست ہے۔ اور (ہم کہہ سکتے ہیں)
بلقیناً درست ہے۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ مولانا غنی نے ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ شاعری شروع کی ہوگی
پھر کہیں دس کم از کم چار یا پانچ سال میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ہی وہ ملک الشعرا
فردوسی، ملک الشعرا کلیم، ملک الشعرا صائب، سلیم، میر الٰہی وغیرہم جیسے بلند پایہ
مشہور و معروف باکمال، مسلّمہ ماہرین فن، اور اہل زبان اساتذۂ دقت کی مجلس میں
شریک ہوئے۔ وہاں رعب و دبدبہ والے سخن سنج گورنر کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت کرنے
اور اپنی سند سخن منوانے کے قابل ہو سکے۔ — دور نہیں — کیونکہ زمانہ
مکتہ گیر تھا اور دقیقہ سنجیوں کا تھا — بھلا ہر کہہ مہ سے ایسے ماحول میں منعقد ہونے والی
مجلس شعر و شاعری کے متعلق کچھ تھوڑی سی وضاحت کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے
مسلم الثبوت اساتذۂ فن شعرا کی مجلس میں شرکت ہے ہاکوئی آسان کام نہیں تھا۔
ملک الشعرا غزالی شیراز جاتا ہے۔ انکی شہرت کی وجہ سے انکے اعزاز میں وہاں ایک
مشاعرہ قایم ہوتا ہے۔ وہ دانستہ میں درد میں ڈوبی ہوئی غزل نہیں پڑھتا ہے تو انکی
بھبتیاں اسکے اڑائی جاتی ہیں کہ وہاں سے بھاگنا پڑتا ہے۔ اسفہانی کا یہ قطعہ مشہور ہے۔
کم از کم اتنا تو فن سخن سنجی پڑھ لیتا ".....
"بہانہ درد دندان کرد و دارفش بخود کندن + اگر خواہی کہ گوئی ہر سخن باید گشد دندانش"
ایران میں شعرا کی ایک مجلس میں یہی مشہور دیباچہ میرزا صائب اپنی ایک نہایت خوش آہنگ غزل
سناتے ہیں۔ ایک مصرعہ اٹکا "....." عیب بعیب خود نمیدانے رسد" ہے
صحیح ای اشرف وہیں پر کہتا ہے۔ کہ ایک "با" کی کمی ہے۔ یعنی "عیب بہ بعیب خود نمیدانے رسد"
ہونا چاہیئے۔ یہ اسقدر نکتہ ور اور دقیقہ رس تھا کہ حاضرین کو اسمیں پورا قایل کرا دیا۔ اور کہتے

CC-0. NTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

غفور نامی کے بجائے یہ فضل بیجا مانگا گیا ۔ جہانگیر کے دربار میں ایک شاعر کی وفات
15 تقطیع میں بے ادبی کا احتمال ہونے پر سرد دربار باز پرس ہوئی ۔ طالب آملی کو بھی
سرد دربار لفظ غبر کے ساتھ افسردہ انتعال کرنے پر سند مانگی گئی ۔ وغیرہ وغیرہ
ایسی فضا اور ایسے ماحول میں شعر شروع کرنے کا وقت اگر زیادہ سے زیادہ بیس سال کے
نو وارد ذہن پر ۱۰۲۰ھ میں ہوئی ہوگی ۔ اسطرح عمر ۶۳ یا ۶۴ سال ہوتی ہے
یہاں ایک بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جوانی میں امراض و علل کے لئے علاج و
معالجہ کی امید ہر ایک جوان شخص بالعموم موت کی خواہش نہیں کرتا ہے ۔ ایسی خواہش
عموماً بڑھاپا شروع ہوتے ہی ہر طرف سے مایوسی کی بنا پر ہوا کرتی ہے ۔ چنانچہ
مولنا غنی بھی ناتوانی اور درد سے تنگ آکر مایوسی کی حالت میں "دو باشد
ای کاشکی عمر کوتاہ مرا" کہنے پر مجبور ہوتا ہے ۔ اسطرح تواریخی روایات اور
خود اقوال غنی کے سلسلہ کی تمام کڑیاں ایسی جڑ جاتی ہیں کہ ایک مسلسل و قابل تسلیم خبر
بن جاتی ہے ۔ اور عقل و درایت کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا ہے
البتہ میں ایک مضحکہ خیز بات کا اظہار کئے بغیر مجھ سے رہا نہیں جاتا ہے ۔ جو اگرچہ غیر
متعلقہ نہیں، مگر چنداں ضروری بھی نہیں ۔ چونکہ دلچسپ ہے ۔ سنئے اور داد
دینے کے قابل ۔ سنئے اور داد دیجئے ! ۔

تذکرہ "مرآۃ العالم" کا ایک قلمی نسخہ میرے مطالعہ میں آیا ہے ۔ جو معلوم ہوتا ہے ۔ کہ
مولوی محمد سعادت مغفی ، کے مطالعہ میں بھی آچکا ہے ۔ اسمیں مولنا غنی کا ذکر جس
صفحہ پر ہے ۔ اسکے حاشیہ پر مولوی موصوف مذکور جو اپنے کو فرخ کلہ کہتے تھے ۔ اپنے
قلم سے رقمطراز ہیں ۔ "غنی ۔ خطا بر نام ، از قبیلہ اتائی ہے ۔ برادر محمد زمان
نافع بود ۔ در ۱۰۴۰ سنہ بعالم دیگر خرامید ۔ کتب درسی بخدمت اخوند ملا محسن نانی
این شیخ فہد اتائی سیخ حسن لنبانی گذرانید ۔ در سنہ ۱۰۶۰ سال رسیدہ داد

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

خوش حالی و سخنوری داده "غنی" تخلص و تاریخ شعر گوئی خود برگزیده با
سلیم و کلیم و قدسی مجالس مشاعره و سلسلہ صحبت چنبا نیدہ در سنہ ۱۰۷۹
در عین جوانی باد اجل دزدید۔ رخت بعالم آخرت کشید" شعر حاب شد
کیا سمجھے ہمارے قارئین با تمکین؟ ۔ یہی نا! کہ "غنی" تو شعر شروع کرتے ہی
سنہ ۱۰۶۰ میں بعمر بیس ۲۰ سال ۔ مگر صاحبِ اوصاف کرتے ہیں اُن
مسلم الثبوت اربابِ فنِ ملوک الشعرا اساتذہ کے ساتھ جو چار پانچ سال سنہ ۱۰۶۰
پہلے مرحلے میں ۔ یعنی جبکہ وہ صرف ۱۵-۱۶ سال کے طفل مکتب تھے
پھر اس عہدِ غیر فراموش میں ظفر خان اور مشرب کے ساتھ مشاعرے چلے گئے ہیں ۔ پھر تکمیل فی الہند
واہ واہ کیا کہنے ایسی تاریخ دانی، روایت اور درایت کا ۔ بعینہٖ اللہ اللہ روا
شہید دین فوق صاحب نے اپنی کتاب "مشاہیر کشمیر" میں لکھا ہے ۔ ایسے ہی وجوہ
ہیں کہ مولوی فوق صاحب کی کسی بھی روایت کو کسی اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا
ہمارے زمانے میں تاریخ نویسی کی ہوا ہی کچھ ایسی چل پڑی ہے ۔ تجارت بنا لی گئی ہے
دولت کمانے سے کام ۔ حکایات و روایات میں رطب و یابس کی کچھ پروا نہیں
اسیطرح ایک کتاب "تاریخ اقوام کشمیر" کے نام سے لکھی گئی ۔ گھر گھر پھر کر
رقوم جمع کی گئیں ۔ اور تازہ دولتیوں نے اپنی خاندانیت دکھانے اور خاندانی
اہمیت بڑھانے کیلئے جو کچھ جی میں آیا لکھوا لیا ۔ جو کم از کم اسی فیصد غلط و
آنی والی نسلوں کو کیا خبر کہ اس کتاب کی کیا حقیقت ہے ۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

خاندان :- مولانا آخوند خاندانی لحاظ سے بھی کشمیر کا ایک مشہور و معزز

14 خاندان اشائی سے تھا - اس خاندان نے اکثر ایسے نامور پیدا کئے جو اپنے اپنے

زمانے میں افراد زمانہ میں شمار ہوتے رہے ہیں - مثلاً خواجہ طاہر رفیق جو

معقول و ماثور تاجر بھی تھے - اور اولیاء طریقت کے شیخ عصر بھی - حضرت خنداں علیہ الرحمۃ

راہ راست تربیت یافتہ - عاقبت اندیشی کے فرمانے ہر ادراک دنیا بھی ہوئی - سخاوت،

فقرا پروری، مساکین نوازی میں مشہور، الغرض والد خواجہ ابراہیم آپ کی تجارت کے

سلسلہ میں لدھیانہ گئے تھے - اتفاقاً وہاں حضرت شیخ عبدالشکور سہروردی سے جو حضرت قطب الدین

فرید بہاء الدین ذکریا ملتانی علیہ الرحمۃ کے احفاد میں سے تھے اور طریقت میں خلیفہ

وقت، ملاقات ہوئی - انہیں اپنے ہاں دعوت پر بلایا - چونکہ بڑے صاحب ثروت اور

متمول تاجر تھے - خلیفہ صاحب کو سلام کیا - حضرت شیخ نے تعریف کی - بہت خوش

اور خوش ہوئے - فرمایا - "خواجہ صاحب کچھ مانگئے" - خواجہ صاحب کی ایک چاہتی لڑکی اکثر بیمار رہا کرتی

تھی - اسکے حق میں دعا کیلئے التماس کی - دعا کرکے فرمانے لگے - "اور کچھ بھی مانگو"

اس نے عرض کی جناب ہی جو چاہیں عنایت فرمائیں - فرمایا "تمہارا طاہر نام جو بڑا کام کرے

اسے ہم اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں" - عرض کی جناب وہ تو کشمیر میں ہے - اتنے میں حضرت شیخ کے

ایک فرزند خواجہ طاہر رفیق کی صورت دکھائی - فرمایا "یہی ہے نا؟" خواجہ صاحب حیران رہ گئے

پھر میں نے خلافت عنایت فرمائی - ارشاد و اسناد سلاسل اربعہ :- قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، کبرویہ - اور

آداب سلوک و تعلیم طریقت، بیعت و اجازت نامہ لکھکر - اور خرقۂ خلافت و تبلیغ دیکھ خواجہ صاحب

حوالہ کرکے فاتحہ پڑھی - خواجہ طاہر رفیق صاحب ہاں بہ اعانت الٰہی پہنچے - وہ از دل و جان الٰہی متعرف

ہوگئے - اور بہت سے لوگ دامن ارادت کو پکڑ کر اپنی عاقبت سنوارنے لگے - ابھی اس کی عمر

CC-0. JK Archive Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

نام سے مشہور ہے۔ کہ امام نے التجا کی اسکے حضور میں آکر کہا۔ کہ مجھے کوئی ایسی چیز عنایت فرمائیے جس سے
مردہ زندہ ہو سکے۔ فقیر صاحب نے تبسم فرمایا ہوئے۔ اپنی داہنی چٹائی سے ایک تنکا اٹھا کر دیدیا۔ اسنے
تعجب سمجھا۔ ہاتھ میں لیکر پھر چلا گیا۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا ندی پڑی، اسنے اس
تنکے کو اعتقاد نہیں بلکہ آزمائش کے طور پر۔ اس مردہ پر چھڑکا پھر کیا۔ وہ اچھل کر اڑھتی ہوئی
دیوار پر جا بیٹھی۔ اور اپنے پھر جانے لگی۔ اسیطرح اسکو بھی فقیر کی عظمت کی
قدر آئی۔ فرمایا جاؤ ہر روز شام کی سنتیں پڑھنے میں ایک ایک اشرفی ملا کریگی۔ مگر
اسمیں سے کچھ جمع نہ کرنا۔ چنانچہ اسکو بدستور ایسا ہی پاتا رہا۔ پھر اسنے اسمیں سے کچھ اندوختہ
بنا کر اپنے گھر میں کچھ دکھانی زمین خریدی۔ تو علیہ غنی ہو گیا۔ اسیطرح اور کرامات میں
حضرت سلطان العارفین کے ہمعصر و ہم مشرب۔ دوسرے اولیاء عصر کا حضرت شیخ فرید،
شیخ والی۔ بابا ہردی ویسی کے ہم عصر شیخ رفیع الدین رجا ہم فی اوچ بخارا میں۔ سنہ ۶۹۱ھ میں
ایک خانقاہ بنوائی۔ جو ابھی تک موجود ہے۔ تاریخ بنا "ھو خیر المساجد" ہے۔ لنگر بھی جاری کیا
عرہ ذی حجہ ۱۰۰۱ھ سنہ میں انتقال فرما گئے۔ قبہ کدل اپنی خانقاہ کی صحن میں دفن ہیں "شیخ کامل"
تاریخ وفات ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انکی اولاد امجد بود رفیق کہلانے لگے۔
انکی اولاد بھی ہوئی۔ انکی اولاد بدستور آباد ہے۔ خاندان آبائی کی اس رفیق
شاخ میں بڑے بڑے نامی بکمال دار باکمال پیدا ہوئے۔ شیخ وقت پیدا ہوئے۔ جنمیں
راقم الحروف کے خاندانی شیخ حضرات شیخ طیب رفیقی، انکی خلف اور شیخ مصطفےٰ رفیقی
انکی داماد اور شیخ عبد اللہ رفیقی بھی ہیں۔ روح اللہ اور ابراہیم و رفیع درجا ہم
و جمل الفردوس مثواہم و رزقنا وسالہم فی الدنیا والآخرہ = پھر عینی کے خاندانی حالات میں
اتنا دور جانا نہیں [illegible]

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust.

اور امید ہے۔ کہ اپنے اسلاف کے پیچھے میں بھی اپنی کے سایہ دسالت میں مشہور ہونگا ان
دعا ما لک علی اللہ بعزیز = راقم الحروف کے والد مرحوم بھی مشہور بزرگوں میں تھے کشمیر
حاجی عبدالغفار صاحب آئی (حاجی تخلص) اور الفاخر نور بخش اخبار کشمیر بھی اسی خاندان سے تھے۔
اس خاندان کی ایک شاخ راجوری کے نیچے سید حسن بلاد دومیل کے محلہ کاتی پاس جا کر
آباد ہوئی۔ مولانا غنی اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مولانا غنی کا دفن
قبر کھل والے دوفاندانی قبرستان میں ہوئے = کہا جاتا ہے کہ مولانا غنی اپنی حضرت شیخ طاہر رحمۃ اللہ علیہ
بنی اخوان سے تھے۔ اور انکا نام بھی تیمناً دیرکا اپنے اسی خاندانی نام سے رکھا گیا ہو کیونکہ
دعا کی ولادت سے کوئی بیس سال پہلے انتقال فرما گئے تھے۔

معاش و وجہ معاش! — جو بھی تذکرہ یا تاریخ اٹھا کر دیکھو غنی کے متعلق یہی
تعریفیں ہوگی کہ وہ صاحب غنی ہی تھا۔ کبھی کسی سے کچھ مانگا نہیں۔ کوئی عطیہ قبول کیا نہیں
کسی قسم کا صلہ لیا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب تو صدیوں کے بعد کون کس طرح ان حضرات سے پوچھ جائے
کہ اجی حضرت؟ آپ تو غنی کی غنا النفس کی تعریفیں سناتے ہیں۔ مگر کچھ وجہ معاش کی
کوئی خبر نہیں دیتے ہیں۔ ہمیں تو اتنا تو فرما دیجئے۔ کہ انکا گذر اوقات کیسے ہوتا تھا؟
بہرحال ایسی تعریفیں ہے۔ اور تعین وجہ معاش کے بغیر سکے اور۔ آج کل کے دقیقہ رس اور
خبریات طلب اہل قلم اور تنقید نگار کچھ نہ کچھ پتہ لگانا چاہتے ہیں۔ اس بارہ میں
جو کچھ ہمارے ذہن میں آیا ہے:۔ مولانا غنی کے استاد شیخ فانی کا مکتب چلانا تو ہے
شیخ فانی آخر عمر میں دربار داریوں میں اکثر مشغول رہا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں سفر بھی
کرنے پڑے۔ لہذا قیاس یہی کیا جاسکتا ہے۔ کہ شیخ کی غیر حاضری میں انکا بیٹا شاگرد رشید مکتب
چلاتا تھا۔ یہ ایک قرینہ ہے۔ مگر اتنا تو یقینی ہے ہی جو ہویدا ہے۔ کہ مولانا غنی مکتب ہی چلاتے
رہے ہیں۔ جسکی طرف وہ خود اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً:۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

"بر بردم غنی ہر چہ عمر خفتہ بمکتبہا — نیاوردم زخط بر تو نسخہ خوش سرمہ ہوں"

یہ غنی! میں اگرچہ اپنی تمام عمر مکتبوں ہی میں بسر کی ہے (مگر پھر بھی) اپنے خط کو نسخہ

یعنی خوبصورت سے باہر نہ جا سکا ہوں۔ کنایتہً محدود وسائل آمدنی اور عسرت کی ایک گونہ مکاری ہے

(۲) "ہر چند کہ از درس رہا ہی نشدم — آگاہ ز یک حرف کما ہی نشدم"

"موئی سپیدم سفید گردید ہنوز — دو قفہ ز سیاہی سیاہی نشدم"

یعنی سر کے بال سفید ہو جانے کے باوجود بھی اگرچہ میں نے مدرسہ (مکتب) نہیں چھوڑا (مگر پھر بھی)

واقفیت جیسا کہ ہونی چاہئے تھی حاصل نہ ہو سکی" — اس رباعی میں ہمارے اس دعوے کے

مطلب کی یہ بات ضرور ہے۔ کہ مولانا بڑھاپے میں بھی مکتب چلا رہے ہیں۔ ایک اور رباعی

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ درس و تدریس کا کام ہی کرتے رہے ہیں۔ اور آخری

شدت درد اعضا کی وجہ سے پڑھا بھی نہیں سکتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں سے

(جیسا کہ پہلے مکتبوں میں رسم تھی یا کرتا تھا) اپنے اعضا (ہاتھ پیر) چپی کرانے کی

سخت ضرورت محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"افتادم از درس ز درد اعضا — گو شاگرد کہ مالد اعضای مرا"

"مے مالیدند تا مرا استاداں — ای کاش کہ گوش میشدم مرہا"

اس کے علاوہ ایک برادر عزیز محمد رمضان نام، نافع تخلص کے بارہ میں لکھا گیا ہے۔

کہ تمام عمر درس و تدریس ہی میں اپنا گذر اوقات کرتا رہا۔ جو کہ بابا نصریات کی

روشنی میں بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ مولانا غنی مکتب ہی چلاتے تھے۔ اور انکا

بھائی بھی وہی مکتب تقریباً تک چلاتا رہا۔ یہ قیاس یقین کی حدود میں جا کر داخل

ہو جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر ارباب قلم بھی خود مولانا غنی کی شاگردی کا دم

بھرتے ہیں۔ بہی مسلم۔ لالہ مکند سہدر۔ جنہوں نے "برطرفہ شاگردان رشید" لکھا ہے

یعنی سب نام شاگردوں کے ہیں اور [illegible] کی بڑی تعداد کا اشارہ ملتا ہے

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

صاحب تذکرہ خجستہ لکھتے ہیں کہ سال شکست جلوس بھی نہیں ہوا تھا کہ مولانا غنی نے قصیدہ پیش کیا۔ اور ہزار روپیہ صلہ پایا۔ اس پر بھی کہ اکثر

تذکرہ نویس سیخ پا ہو کر انکی تردید میں اپنا سارا زور قلم صرف کر دیتے ہیں۔ مثلاً مولانا اکبر خانصاحب نجیب آبادی۔ جنہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب "مولانا غنی" مرحوم محمد دین فوق کی تحریک پر لکھکر۔ فوق صاحب کے ذریعہ شائع کرائی ہے۔ مجھے اسمیں اسقدر سیخ پا ہونے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی ہے۔ البتہ مولانا عمر بھر خوشامدانہ قصیدہ خوانیوں

جیسے بیانہ مدح طرازیں، اور حریصانہ جاہ طلبیوں سے اپنے دامن استغنا کو پوری احتیاط کے ساتھ بچاتے رہے ہیں۔ اور اسیر ناز اور مخمور ساقی اپنے مخصوص شگفتہ و بانہ اور شوخگانہ انداز میں مے و تراناں اور مضمون آفرینیاں کرتے رہے۔ مثلاً

"علق ہمتم کہ آتشی از بیم سایہ میخ اید — بنان خویش چو گردون زدگرم جوں گردون نمود رخ"

"صد شکر کہ از حرص و ہوا وارستم — چشم ہوس از متاع دنیا بستم" — یہانتک کہ

"چوں شکل درم بجود زناخی پیدا — زد پشت برادر بے نیازی دستم" اور

"سرمایہ نی در آستیں دست تہی است — ہر خانہ دو لنگ لیک دلمت تہی است"

"اہل زر و سیم سنگدل مستند غنی؟ — دستے کہ فراخ است ہمیں دست تہی است"

جس کے ہاتھ میں کچھ ہوتا ہے۔ وہ مٹھی بند کر لیتا ہے (تنگ) رہتا ہے۔ اور جو خالی ہوتا ہے۔ تو کھلا رہتا ہے۔ فراخ دستی اور سنگدستی کی کیسی نئی توجیہ کیگئی ہے۔ دیوان میں ایسے اشعار اسی قسم کے دیوان میں موجود ہیں۔ مجھے زیادہ طوالت میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک باخبر اہل قلم یہ جانتا ہے۔ کہ مولانا غنی طبعاً قانع اور غنا و توکل کے سوا دارہ اور پابند تھے۔ تبھی تو دعویٰ کرتے ہیں:۔ کہ:۔

"دایم چو انجم از عدد بیت بلند — یعنی زبار منت کس خم نگشتہ ام"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

"چشم مرد زکس نپوشد جز صدف حرا + قانع نگردد عالم بالا بسیم و زر"

اور "مرد نازیبرد در قناعت شود آزرده کمی + برسر شی گرگس طلا بنشیند"

مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے - کہ آخر عمر میں انہیں کہیں سے عطیہ یا امداد کی صورت میں کچھ نہ کچھ بادلِ ناخواستہ قبول کرنا ہی پڑا ہے - جسے وہ "تقاضائے داغ" لکھتے ہیں

"عاقبت بُرنشد ز تقاضائے داغ از امداد غیر + گرچہ حاتی بود دستم پیش از من چو آب"

لفظ "عاقبت" اور یہ مصرعہ ثانی کے مفہوم سے یہی معنے نکلتے ہیں - کہ آخر عمر میں کوئی امداد ضرور قبول کرنی پڑی ہے - اگرچہ "اس سے پہلے انکا ہاتھ ایسا داغ لگنے سے پاک تھا"

شاید اسی مجبوری پر انفعال کا اظہار بھی کرتے ہیں :-

"یک قطرہ بیش آبخوردم زجوی عمر - واں نیز عاقبت عرق انفعال شد"

عقل و قیاس بھی اسکے ماننے پر تیار ہوجاتا ہے - جب دیکھا جاتا ہے - کہ "افتادم از دمے زدریا بعضا" - آخر عمر میں حوادث و مصائب سے بھی بعجہ شدت درد و ناتوانی معذور ہوچکے تھے - شاید اسی زمانہ میں اضطرارًا کوئی عطیہ قبول کرنے پر مجبور ہوگئے - باقی رہا کیا؟ - کس سے؟ انکا ہمارے پاس کوئی قابل وثوق جواب نہیں عطیہ خانجہانی جب کہ جدولیہ میں شاید نہیں ہے سکتا ہے - کہ یہ کوئی ایسی کثیر رقم نہیں کہ کوئی نام و نشان نہ رہے - دوم یہ کہ خانجہانی عبد الله آخر عمر نہیں ہے سکتا ہے وہ تو حضرت عالمگیر کے عہد میں وفات پاگئے تھے -

ایک علاوہ محسوس ہوتا ہے - کہ انہیں جلسوں میں بھی کچھ نہ کچھ دسترس ضرور تھا - اور لوگ انکی علمی مشورہ بھی لیا کرتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں :-

"جویند دوای درد از من دگران - غافل کہ منم نہ درد درماں"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

17

عام حالات :- معلوم ہوتا ہے - مولانا کا یہ فرمانا کہ :-

(۱) "ما بفقر و فاقہ خرسندیم ہمچو ں آسیا = گر سد روزی عیار خاطر ما میشود"

(۲) "داغ افلاس چو ما ہی دادم = خلق دانند کہ ما جب دیدہ ایم"

(۳) "سرمایۂ نی در آستیں دست تہی است = بر خاتم دولتم نگیں دست تہی است"
آئی عملی زندگی کا پورا آئینہ ہے — اور :-

(۴) "ما فقر سرہ مقیم خانۂ ما — از گرد ال تہی است ویرانۂ ما
وقتے بدر خانۂ مردم عیب است ~~تقصیر~~ احوال کہ خانہ ایست در خانۂ ما"
وغیرہ

~~آئی عملی زندگی کا پورا آئینہ ہے~~ — اور آئی خانگی حالت کی آئینہ دار —

اس پر مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں —

عیال و اطفال :- ہماری محتاط طبیعت جسطرح انکی متاہل زندگی میں متامل ہے

اسیطرح مجرد بتانے سے بھی ہچکچاتی ہے - وجہ یہ کہ ارباب سیر اور تذکرہ نویس حضرات

جن شیوخ، صلحا، یا شعرا نے تجرد اختیار کیا تھا انکے بارہ میں صاف طور پر اور صریح الفاظ میں

لکھا کرتے ہیں - کہ "مجرد ہ زیست" "... در تجرد بسر برد" "متاہل نشدہ" وغیرہ وغیرہ

مولانا غنی کے متعلق ایسا کوئی لفظ کہیں نہیں ملتا ہے دیوان میں ایک رباعی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri Trust

"چوں دوغم خورشید فعال برخیزد — ہر کس شعلہ از دل و جاں برخیزد"
"بر تربت او زدیدہ میریزم آب — شاید کہ ایں خواب گراں برخیزد"

یہ خورشید کون تھا جس پر غش نے حملہ کیا ہے — اسکی قبر پر کیا روتا ہے — اپنے آنسوؤں کا

پانی اسکی خوابیدہ روح پر اسے بیدار کرنے کی امید پر چھڑکنے کی کوشش کرتا ہے — کیا عجب کہ

مشاہیل ہو کر حضرت اولاد ہو گئے ہوں — جو زندہ نہ رہی — اگلی شعر میں "مٹی" والی تشبیہ میں

ایک دوسری ہی مضمون کی ہے — جس زیادہ مرحمت ہے — "حاصل عمر" نباہ بچے پر رویا

جاتا ہے — "حاصل عمر" اولاد سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی — یا کسی اور کی اولاد بھی اپنی

نہیں ہو سکتی ہے — کس دردناک انداز میں کہا جاتا ہے: —

"از مردنِ تو حاصلِ عمرم تباہ شد + چیزے کہ عمر گریہ نہ ہر صبحگاہ شد"
"اے آدم کہ سنگ بد آغوش گرفت + سنگے ہر خوار تو ام سنگ سیاہ شد"

اسکا مفہوم یہی بتلاتا ہے — کہ [illegible] کوئی پیاری اولاد ہی پر رویا جاتا ہے

اسکی بہانت کہ قبر میں جا کر اسے پھر اپنی آغوش میں لیتا جاتا ہے ہیں مگر سنگ خارا کی مشابہت

اسی طرح ایک اور رباعی میں ہے — جس کے بہانے مخاطب اپنی ہی ذات کی طرف ہو یا اپنی

"طرف ثانی" یعنی اہلیہ کو زیادہ رونے دیکھ کر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں: —

"ای در غمِ تو دیدہ چشمت نمناک + یعقوب صفت جامہ صبرت صد چاک"
"در ماتم فرزند مریز اشک بخاک + صد طفل مکں برای یک طفل بلاک"

ایک دوسرا اور ہیں: —

"گفتیم زندہ در گور از پس دریں غم آباد + کردیم خاک بر سر در ماتم عزیز"
"نصیب ما زباغ آفرینش میوۂ غم شد + زہے را کہ بر در دم آفرنخلی ماتم نشد"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

کو نہایت عزیز تھا۔ جسکی مولنا نے پالا مگر اسکی عمر نے وفا نہ کی اور غم نصیب
مولنا کو اسیر غم کرنا اور اسکا صدمہ سہنا پڑا ہے۔ وہ نہال غریب آخر نخل ماتم بنایا
کیا گیا ہے۔ تذکرہ نویسوں کی گفتہ اور لیکن ہر گفتہ اور کہا مقدر ہو جائے۔ اس
بحث سے یہ ہی نتیجہ برآمد ہو سکتے ہیں۔ کہ مولنا متاہل ضرور تھے ہیں۔ اولاد بھی ہوئی۔ مگر
جوانی ہی میں سبکو پرواز کر گئے ہیں اور پھر متاہل نہیں رہے۔ بقیہ عمر یکہ یکہ زندگی بسر کی ہے۔

وفات: — وفات کے متعلق شباب و شیبت کا جو کچھ پتہ لگتا تھا اوپر لکھ
آئے ہیں۔ اب تعین سال وفات کے بارہ میں کچھ عرض کرنا باقی ہے۔ سال وفات میں
اختلاف ۱۰۷۷ھ سے شروع ہو کر ۱۰۸۳ھ تک جا کر ختم ہوتا ہے۔ امراء عالمگیری میں
بختاور خاں (متوفی ۱۰۹۵ھ) اپنی تصنیف "مراۃ العالم" میں غنی کی وفات کے بارہ میں
اس طرح لکھتا ہے:۔ در سنہ ہزار و ہفتاد و ہفت (۱۰۷۷) از خارستان دنیا دل برکندہ
میل گلگشت آباد عقبی نمود۔ غریب تاریخ رحلتش بطریق تعمیہ گفتہ "افتاد بر زمین
سخن از رفتن غنی"۔ "وای غنی" "غنی بودہ" نیز یافتہ اند" مؤخر الذکر
دو تاریخی جملے تو برابر ۱۰۷۷ھ ہی بنتے ہیں۔ مگر تعمیہ قطعہ کا سنہ ۱۰۸۱ھ بنتا ہے
اسی تذکرہ میں یہ فرق — اسکے بعد خود نسخہ دیوان غنی کے مؤلف کے تواریخی قطعے دیکھئے
"پنہاں شدہ گنج ہنر زیر زمیں" اور "حیف غنیا" — اور پھر اسی نولکشوری مطبوعہ دیوان
آخر میں محمد علی طاہر کا قطعہ تاریخ بھی دیا گیا ہے — کہ "..... آگاہ سوی دار البقا از دار فانی"
حساب لگا کر دیکھئے اسکا ۱۱۱۰ بنتا ہے — مگر نوکشور صاحبان کی بے پروائیاں تو مشہور ہی ہیں
جہاں "دار البقا" کی جگہ عربی طریقہ پر "دار البقا" لکھا ہوا ہے — جس سے ۳۱ سال کا فرق پڑ گیا ہے
پھر تاریخ حسن احمد جسکی نقل کرنے والے عبد الحی صاحب سرآنبلی کی تاریخ کبیر "ہزار و بیست و دو"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

بھی تاریخ اعظمی :- "در کمال جوانی بود واقعہ شیخ محمد فانی بہ بیست ماہ قضا کرد در ہزار و ہشتاد و شش" - اسکو بھی اس قطعہ در تاریخش گفتہ "دیدہ بینا شد و گوہر ز دریا شد پدید" والا قطعہ - پھر "کے بتعمیہ در تاریخ او گفتہ :- "بے سخن راد سخن دادہ غنی" اس بارہ میں معلوم ہوتا ہے - کہ محمد علی ماہر - اور پھر مسلم تعمیہ نگار کے تواریخ قطعہ مآثر الکرام و دیگر متعین کی روایت کو ماخذ ہیں کی روایت دیگر متعین کی روایات ماخذ ہیں - خواجہ اعظم کے عزاز طرز سے پتہ چلتا ہے - کہ انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہ کچھ تحقیق ضرور کی ہے کیونکہ شیخ فانی کے مرنے کے بعد آٹھ مہینہ کی تعطیل سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے ورنہ وہ بھی اسطرح "در رحلت ہم بر استاد بسعت کرد" لکھ دیتے جس کہ انکے ہمعصر نے لکھا تھا - اگرچہ موجودہ تاریخ اعظمی میں مسلم کا "پنہاں شدہ گنج ہنر ہے زیر زمیں" قطعہ بھی درج ہے مگر اسکے ساتھ یہ عبارت بھی "کے بتعمیہ در تاریخ او گفتہ "بے سخن راد سخن دادہ غنی" ہے - خواجہ اعظم سخن فہم بھی تھا سخنگو اور تاریخ باب شاعر بھی - پھر یہ بات بھی ہے - کہ اسکی تاریخ میں جہاں تک میں نے مطالعہ کیا - یہی ایک قطعہ تاریخ ہے جس میں تاریخ کے الفاظ میں دی ہوئی تاریخ مادہ تاریخ سے مختلف ہے - لہذا میرا قیاس یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دو متضاد تاریخیں دے کر دیتا - شاید یہاں بھی کسی کاتب نے غلطی سے یا تاریخی قطعہ اپنی یادداشت سے ایراد کیا ہو - جیسا کہ خوشگی کی حیات ہی میں اسکے ایک شعر کے متعلق کیا گیا تھا - جسپر خوشگی نے اس کاتب کی غلطی کا بیان لگانے تک شعر کہنا ہی چھوڑ دیا تھا اسکے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے - کہ خواجہ اعظم محمد علی ماہر کی تدوین دیوان کا ذکر کرتا ہے - لہذا جو تاریخ ماہر نے دی تھی خواجہ اعظم کی نظر سے ضرور گذری ہوگی جسے اس نے اپنی تحقیق کی بنا پر نظر انداز کر دیا ہے [illegible] باقی کی سند ادا

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust.

پھر خواجہ اعظم کی تعلیم "نہ ست ماہ" بھی پوری ہوتی ہے۔ اور "بے معنی داد
معنی دادہ غنی" سے بھی ۱۰۵۳ھ ہی نکلتا ہے۔ یہ فقرہ کہ "دد کے بتعمیہ درتاریخ
اوگفتہ" ایک بیہودہ عبارت ہے کسی کی سمجھ میں نہیں۔ عبارت اس طرح ہونی چاہئے
"بدار دا فقر بتعمیہ فتحی فانی بہ بیش نہ قناعت کرد۔ کہ بتعمیہ درتاریخ اوگفتہ"
اس قطعہ کو تاریخی کہنا۔ ایک بیوقوفانہ تاریخ سے بیخبری کا نتیجہ ہے۔ کسی اپنی
یادداشت سے الحاق ہوا معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ کہ بتعمیہ... فقرہ شروع کرنے
سے پہلے ضرور کوئی ایسا لفظ درج ہوتا جس سے معلوم ہو سکتا کہ اس قطعہ کا تعلق کس اثر سے
اسطرح بھی لکھا ہے۔ مثلاً دیگر کہ بتعمیہ... یا بحثیں کہ دگر... یا نیز کہ
جبکہ اوپر خزانۃ العلم کے حوالہ میں تاریخیں پڑھ آئے ہیں۔ جہاں "معنی
معنی بودہ" نیز یافتہ اند" لکھا ہے۔ مصرع "نہاں نہ گنج بنیز زیر زمیں"
اگر اسطرح ہو "نہاں نہ گنج بنیز زیر زمیں" تو بھی ۱۰۵۳ھ نکلتے ہیں اور
گنز عربی فارسی میں ایک دوسرے کا ترجمہ ہے۔ اعظم اندازِ بیان کے لحاظ سے
میں اپنی طبیعت کو ۱۰۵۳ والی روایت ہی کو ترجیح دینے پر مائل پاتا ہوں واللہ اعلم بالصواب

اخلاق و عادات :- چونکہ غنی کے دیوان سے کسی قسم کی صوفیانہ نیچر، نامعلوم ذم لغوی
یا معنوی سمجھا جانا طرزِ ادا، اخلاق رذیلہ یا عادات فاسدہ کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا ہے
اور نہ ہی کسی کمینہ طنز، یا استہزا کی بو آتی ہے۔ بلکہ اسکے برعکس زہد و ورع،
قناعت و سیر چشمی، صبر و تحمل، تسلیم و رضا کی تلقین کرتا اور دنیا کی مذمت نہ بیان

CC-0. JNTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

گھر گھر نہ پھرنے، کسی کے ہاتھ نہ پھیلانے، کسی بادشاہ یا امیر کی قسم کے صلہ و نوازش و کرم کی توقع نہ رکھنے کی
تعلیم دینے ہی نظر آتے ہیں۔ ایزا دیانت اور دعوی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ بابا غنی۔
صوفیانہ منش، صوفیانہ روش، کے ساتھ تمام فاضلانہ فضائل، شریفانہ خصائل، اخلاق
حسنہ، اور عادات پسندیدہ غرض تمام کریمانہ شریفانہ اطوار و اوضاع کے اوصاف سے متصف تھے
دیوان میں ایک بے ہجو ہیں۔ تو ضرور پائی جائینگی۔ مگر مطبع میں۔ جو دراصل
ہجو نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ان پر حملہ ہوتا ہے۔ کہ وہی خوشگفتیوں، مضمون تراشیوں۔ ایہام بندیوں
اور مضمون آفرینیوں میں جدت طبع کی جولانی دکھانی مقصود ہے۔ اصل
یعنی ایک گونہ ظرافت اور خوش وقتی کا سامان ہے۔ اور بس۔

استغنا:— ولتنا غنی کے اوصاف میں جو وصف کی صفت ذات سے بڑھ کر پایا جاتا ہے۔ وہ انکی استغنا ہے۔ جس کا
ان کی [illegible] قناعت کی [illegible] نفوس، اور استغنا جس سے بڑھ اور کوئی نہیں ہو سکتی [illegible]
اس موضوع پر [illegible] کی ایک تحریر کا [illegible] جس میں وہ عرض [illegible] کی راہ میں [illegible]
[illegible] کر کھڑا کر دیگا جاتے ہیں:۔ فانع شود تو نیز خویش کی راہ طلب دا۔ [illegible]

سفر:— دیوان غنی میں ایک رباعی ہے۔ "کردہ است ہوائی بلند دلگیر مرا +
ای بخت رسان بباغ کشمیر مرا = گشتم ز حرارت غریبی بیتاب + از چشمہ دلی بہ بیار شیر مرا"
مگر کسی تذکرہ یا تاریخ میں یا کسی زبانی روایت میں بھی۔ حالات سفر کشمیر کا پتہ نہیں کوئی ذکر نہیں
اور نہ ہی کشمیر سے باہر جانے کی کسی کوشش، جذبہ یا خواہش کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ کسی دربار داری
کسی آستان بوسی، یا شہزادی وصلہ جوئی کے محرک سفر ہونے کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ وہ تو اس
قسم کی تمام آلودگیوں کی مذمت ہی کرتے رہے ہیں۔ اور ایسے محرکات کو [illegible] نظر حقارت سے
دیکھتے رہے ہیں۔ پھر بیت زیادہ انکی خانگی اور مالی حالت جب کہ اوپر گذری۔ ایسی روایت پر
گمان دھرنے کی اجازت کبھی نہیں دیتی ہے۔ لہذا ہر صاحب بصیرت و درایت کا
یہی عقیدہ ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے کشمیر سے باہر کوئی سفر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

مرحوم نواب صدیق حسن خاں صاحب شمع انجمن میں صاف طور پر لکھتے ہیں کہ "غنی نے

عمر بھر کشمیر سے باہر قدم نہیں رکھا ہے" × باقی رہی یہ رباعی - میرا عقیدہ ہے

× "وقت الموت دو سہ جرعہ کلو امیدہ"

کہ یہ الحاقی ہے - اتنا ہی نہیں - بلکہ میرا گمان غالب ہے - کہ مولانا کا کلام انکی بے پروائی

مزاجی کی وجہ سے انکی حیات ہی میں ایک اداوات چیز سی ہو گیا تھا - اور انکے کلام کا کچھ حصہ

اور دل کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور دوسری رباعیاں اور دوسری ایک حصہ میں دیدی گئی ہیں

جنمیں یہ رباعی بھی ہے - میں انہیں اس ایڈیشن میں درج نہیں ہونے دیتا - مگر چونکہ

اسوقت انکا کوئی اور دعویدار نہیں بنتا - لہذا "یتیم پروری" کی

نیت سے ان صفحات پر برقرار رہنے دیتا ہوں -

وہ ایسے اشعار بھی ہماری یادداشت میں ہیں جو ہم اپنے اساتذہ سے اور

ایسے لوگوں سے جو نسلاً بعد نسل - بتواتر غنی کے کلام کے شیفتہ، دلدادہ، اور تقریباً حافظ

چلے آتے تھے - غنی کیطرف منسوب سنتے آئے ہیں - اور وہ دوسروں کے کلام میں پائے ہیں مثلاً

"تہیدستان قسمت راچہ سود از دہر کامل - کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را"

اس شعر کو ہم دیوان غنی میں نہیں - دیوان صائب میں درج پاکر حیران ہوئے - حملہ ہے - یہ شعر بھی

میرزا کے پیر ایران لیتے ہو - اور انہوں نے کسی یادداشت پر لکھ رکھا ہو - اور انکے بعد انکے کلام میں

درج کیا گیا ہو - جبکہ اسی ردیف و قافیہ کی دہلی کی ایک غزل پائی گئی ہو - اسیطرح ایک اور شعر

ایک قلمی بیاض میں دیکھا گیا = ہے تو غنی کا - لیا بلحاظ معنی یا بلحاظ دیگر ملزومات کے - مگر دیوان میں

درج نہیں - شعر ہے - "سایہ میگوید کہ من نقشی ز پا در ہر قدم + پیچ و تاب از من بگیر و بر زمیں افتادہ را"

امیر خسرو کی غزل کا قبضہ جم گیا ہے - مگر اسوقت دیتے ورنہ اگر طبیعت پر بوجھ کم از کم اس شعر کو دیوان میں

درج کر ہی دیتے ہیں -

39

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

شعر و شاعری :— مولانا غنی کی شاعری کے محرکات و موضوعات، اور انکے شعر کے مضامین و مفہومات اور اسمیں انکی خصوصیات سمجھنے کیلئے مجھے سب سے پہلے اس زمانہ کے شعر کی خصوصیات و رجحانات، اور شاعروں کے ماحول، اس ماحول کے مطابق محرکات، اور اسکے ساتھ شعر کیلئے کے اغراض و مقاصد کے متعلق ضرور کچھ عرض کرنا پڑیگا۔ تاکہ مولانا غنی کی شاعرانہ حیثیت، شعر میں انکی طبعی لطافت و نزاکت اور ایک خاص طرز کی طرف الگار جحان طبیعت وغیرہ کے ساتھ انکی فطری غنائیت۔ اور اپنے رنگ میں انفرادیت سمجھنے میں سہولت ہو۔ اگرچہ یہ کام میری بضاعت سے بالاتر ہے۔ اور میں اس کام میں اپنے کو قابل بھی نہیں سمجھتا ہوں۔ اور نا لائق بھی۔ اسکا مجھے احساس بھی ہے اور اعتراف بھی۔ خدا شاہد ہے۔ کہ یہ اظہار و اعتراف کوئی رسمی یا نمائشی تصنع نہیں ہو رہا ہے۔ مگر شعر و شاعری میں جتنا نالائق ہوں۔ اتنا ہی شائق بھی ہوں۔ یہی دیرینہ شوق ہے جس نے مجھے یہ مشکل کام اس پیرانہ سالی میں ذمہ لینے پر آمادہ کیا ہے ورنہ ؎ مشکل ما سہل دو انگار بود"

جب شعر و شاعری پر اوپر سے نیچے تک ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو صاحب بصیرت دیکھنے والے کو خود بخود یہی نظر آتا ہے۔ کہ شعر و شاعری ایک زبان ہے جو ہر زمانہ میں اسی زمانہ کے مذاق کی بولی بولتی ہے۔ اسپر اسی زمانہ کا رنگ چڑھا رہتا ہے۔

شاہنامہ کو لو۔ اسلاف کے کارناموں کی ہر طرف چرچے ہو رہے تھے۔ افسانے بن چکے تھے (اور بنتے جاتے تھے) جنکے سننے کیلئے ہر مجلس میں بیتابی رہتی تھی۔ ایسی مجلس و شاہنامہ کی ابتدا میں ہوئی جس نے اسکو بیحد ہر دلعزیز بنا دیا۔ اور جو اسکے بعد اور موضوعوں پر نظمیں۔ رجز۔ مبارزت کا کام دیا گیا

CC-0. NTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اب اسکے شعر کو دیکھئے تو تشبیہات ہیں، استعارات ہیں، مراعات ہیں، مبالغے ہیں

غرض فن شعر کے تمام اور ہر قسم کے لوازمات و ملزومات ہیں۔ سب کچھ ہے۔ گرفت، سیدھ، اور متانت ہے

سلیس، شیریں اور عام فہم — اسی کی زبان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ زمانہ اسکی جدائی پر

گونج اٹھا۔ اسکے بعد شیخ نظامی بھی اسی میدان میں اترتے ہیں۔ اور چونکہ زمانہ نے

خردمندی کے طرز اور اسلوب کی چرچے ہر طرف پھیلا رکھے تھے۔ اسکی مقبولیت عام ہو چکی تھی۔

زمانہ کی زبان پر چڑھ گیا تھا۔ لہذا شیخ نے صنائع و بدائع اور دیگر لوازمات شعریہ کو

اپنی فکر رسا اور ذہن وقاد سے زور تخیل کے پر لگائے۔ آسمان پر چڑھا کر مثنوی گنج

ایک ایسے معراج کمال تک پہنچایا جسکی طرف مقدمین کا طائر فکر اور متاخرین کا قوت تخیل

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکا۔ شیخ نے بادجود صعب مشکل پسندی، الفاظ بیان دقت،

عبارتی طمطراق۔ اور پیچیدہ مستعار گوئی کے، بندش کی روانی اور تاثر کو ہاتھ سے

جانے نہیں دیا ہے۔ یہ اسکا کمال ہے۔ اسکی رزمیہ، برزمیہ، اخلاقیہ اور عشقیہ مثنویاں

خوانروایانی دقت اور ادراک زمانہ کے ساتھ معنوں ہوتی ہیں۔ اور انہیں مقبول ہونے

کے لئے پیش قصیدہ گو شعرا بھی بمقتضائے زمانہ صنعت کاریوں اور نکتہ آفرینیوں کے

میدان میں معروف مسابقت نظر آئے۔ جنمیں ظہیر فاریابی سے لیکر حاجی الدین عبدالرزاق اور اسکے

فرزند خلف المعانی اصفہانی کمال المعیلی، خلق المعانی شروانی علامہ خاقانی، سنائی میں

انہوں نے قصیدہ گوئی کی زبان میں ایک بحر بیکراں کی تراکیب و تشبیہات میں حسن طراز

کنایات و استعارات میں ندرت، مضمون آفرینی میں جدت کے دفتر ترتیب دیئے تھے۔ تلمذ شیخ

تراشی میں پڑے۔ خاقانی نے تو عمر و تواریخی اور مذہبی معلومات و علمیت سے وہ طلسم باندھے

کہ شہروں پر شہر میں لکھ [illegible] صحت [illegible] میں بھی مقتضائی زمانہ

CC-0. Jammu Kashmir. Digitized by eGangotri Trust.

اسکی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور پائی جاتی ہے۔ کچھ منزل مقصود تک پہنچنے میں جلدی کرتی ہے۔ ہندایرانی صفوی دور (ایران) اور خلیہ دور (ہند) تک آپہنچتا ہے۔

فارسی شاعری اگرچہ شروع ہی سے سلطنت و امارت کی گود میں پلی۔ اسی میں بلوغ پایا اسی میں ترقی کی۔ یہانتک کہ شاہی درباروں کے اساسی ارکان میں اور باب علم ادب کا رکن قابل وشک اہمیت اختیار کرگیا۔ مگر صفویہ و خلیہ دور میں جو ترقی اسنے کی وہ اسکی اور زمانہ میں نصیب نہیں ہوئی۔ پہلے تو ادھر ایران ادھر ہندوستان کے حکمرانوں میں شعر و سخن کی قدر دانی میں رقابت سی پیدا ہوئی۔ اور اس میدان میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی فکر میں لگ گئے۔ بہ سابقت ان حکمرانوں کے امراء عساکر و درباری دول میں بھی سرایت کرگئی۔ اسطرح انعام و اکرام اور داد دہش کے بادل ہر طرف گرجنے اور برسنے لگے اور دیکھا دیکھی کی رقابت اور مسابقہ ہے۔ کہ اسی دوگونہ مسابقت میں ہندوستان ہی ہر وقت بازی لیتا رہا۔ چنانچہ اکبر کے خانخاناں کے بارہ میں کہا گیا۔ "خانخاناں کہ عہد انعامش ۔ طبع را خصت سخن دادہ داشت چون اعتماد بر سخا ۔ صلہ پیش از مدیح گفتن داد"

ادب تمدن نے بھی کافی ترقی کی تھی۔ سادگی مدت کی رخصت کرچکی تھی۔ ہر چیز میں تکلف آیا تھا اور ہر بات میں تصنع۔ زیب و زینت، اور آرائش و نمائش کا دور دورہ تھا۔ اسلئے جس نظم و نثر پر جب جس چیز کی دھن لگی تھی ادھر زمانہ اسکے مطابق گوہر ہائے سخن کا رنگ زبانوں پر تصنع و مسجع بول بولنے لگا۔ اور عرفی، فیضی نظیری، ظہوری، طالب، صائب، کلیم وغیرہ وغیرہ جیسے اصحاب طرز و ارباب جدت میدان میں آئے۔ ۔۔۔ یہیں پر شاعری کی ترقی کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ کر دم لیتا ہے ۔۔۔

یہ نہ سمجھنا کہ اس وقت کی ساری شاعری کی تاریخ لکھ رہا ہوں۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

ہیں ۔ مقصود یہ دکھانا ہے کہ شعرا و ادبا کی تعداد میں ہیں ۔ اس تمام کارواں میں گنتی کے چند افراد ہیں جو صاحبِ طرز کہلانے کے مستحق ہیں ۔ جنہوں نے شعر میں کوئی خاص جدت پیدا کی ۔ یا کسی خاص طرز کو اپنایا ۔ چمکایا ۔ بڑھایا ۔ اور جو یہ کہہ کر طرز گویا انہی کی خاص چیز ہو گئی ۔ ان میں بعض وہ ہیں ۔ جو زمانے کی زبان میں بولتے رہے ۔ اور بعض وہ ہیں جنکی زبان میں خود زمانہ ہی بولنے لگا ۔ اسی عہد کمال اور ان ہی ادبا میں طرز خاص میں ہمارے ملا غنی کی شخصیت بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے ۔

کشمیر میں اسلامی دور شروع ہونے کے ساتھ ہی فارسی شعر بھی پہنچ گئی تھی ۔ ترقی میں کبھی پیچھے نہیں رہی ۔ عہد حنفیہ میں تو کشمیر علم و ادب کا گہوارہ ہی بن گیا تھا اور اپنے اسی منتہائے ترقی اور معراج کمال کے زمانہ میں اپنے ایران صغیر کہنے لگتے یہاں بھی بڑے بڑے نامور شعرا پیدا ہوئے ۔ بیرونی اور درباری شعرا بھی اپنے اپنے ممدوحین کے ساتھ سیاحتاً آئے ۔ مقیم شاعر کئے ۔ محافل بھی ہیں ۔ جہاں ایک دوسرے کا مقابلہ ۔ مقابلہ اور مجادلہ سے واقف ہوئے ۔ آپس کے عناد ۔ رنجش ، تلخی اور اداسی بھی آئی اور چلی گئی ۔ کبھی نہیں کہ ہو کر رہ گئی ۔ جو اہل حکومت تھے کشمیر کے گورنر بنکر آئے تو فیاض سب ادب دوست ، سخن شناس ، نکتہ رس ، شعر فہم اور شعر پرور تھے ۔ اور محاسن و عیب شعری پر کما حقہ وقت ۔ اور بعض تو خود بھی چوٹی کے شاعر ہوئے جاتے تھے جنہوں نے آکر پیش پیش ہے ۔ دو دو کشمیر کا گورنر ہو کے آیا ۔ ایک موج میں آکے کہتا ہے ۔ فانی فانی را بزم و رزم صائب دیدہ ام ۔ در سخن و در سیاست چون ظفر خان نیست اور ۔ دیکھ لو گوشہ نجوشیدہ دماغ شکستم ۔ باید حضور کہ در حنکر ظفر خانم ؟ اور بقول میر آزاد حسینی : طرز غزل میرا بھی ختم ہے تو ظاہر ۔ صفحہ ثالث اور ورق میں بہت از ظفر خان یہی ظفر خان جو [illegible] کشمیر کا [illegible] مآثر الامرا میں

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust.

نواب صاحب کے بعض بے تکلف دوستوں میں مشہور کرایا۔ رفتہ رفتہ نواب صاحب تک بھی پہنچا
نواب صاحب نے بلایا۔ قطعہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ انکا رنگ فق ہو گیا۔ بھیجا اخیر حصہ
پڑھا "..... برسر پنش ہر کہ بنشیند سگ در پنجہ" ۔ پوچھا "یہ تم نے لکھا ہے؟"
عرض کی "نواب صاحب سلامت یہ کام مجھ ہی کو کرنا پڑا" ۔ نواب ہنس پڑا۔ بڑی دیر تک
تمام حالات پوچھے۔ رحم آگیا۔ صلہ و انعام دیا۔ دربار میں بلا لیا۔ وظیفہ خوار کر کے
اور گھر کا بندوبست کیا۔ اور آئندہ کو فکر شعر سے بیزار کر دیا۔ شعرا میں بھی
باہمدیگر یہ ٹوک رہتی تھی۔ نہایت دقیق نکتہ گیریاں کرتی تھیں۔ اور بھی
اس قسم کا کچھ تذکرہ آیا۔ یہاں بھی ایک دو واقعہ سنانے کے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا ہے۔ ایک
ناخوش گو۔ خواجہ حسن بیگ رفیع۔ ایک محفل میں اپنا ایک شعر سنا رہے تھے:
"مجھ آگے خوش گذرد زندگی خضر کم است + در دیار خوش گذرد یم نفس بسیار است"
تمام مجلس میں رقت سی طاری ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر بولے "حضرت نے اعراض کیا کہ
لفظ "بنا خوش" غلط ہے۔ یا تو صرف "ناخوش" ہونا چاہئے یا "بنا خوشی"
محاورہ، نحو، اور زبان کے لحاظ سے اعراض بجا تھا۔ سب شاعر بھی اسکو بدلنے پر مجبور ہوا
اور بنا خوش کو لفظ "بیخوشی" سے بدل دیا۔ مگر ادا شناس حاضرین نے شور مچایا
کہ اس شعر کی اصلی جان صرف ایک لفظ ہے۔ یہ لفظ بدل دینے سے بے جان ہو گیا۔
اعتراض بھی بجا تھا صحیح اور ادا فہمی بھی صحیح۔ ادا فہمی ہی کی غالب رہی کہ آخر
ایک دفعہ پھر افضل "ناخوش" کے اس مطلع پر "باندک فرصتی از منزل عشرت گہے آرند +
بگیتی خلد را این تحفہ دیگر بہ آرند" ۔ ایک مجلس شعرا میں ہر طرف سے واہ واہ ہونے لگی
مگر ایک شاعر ذہن رسا نے لفظ "فرصتی" پر اعتراض کیا۔ کہ یہاں موقعہ کے لحاظ سے
بے جوڑ لفظ ہے۔ ذرا تامل کر کے لفظ "کاوشی" تجویز کیا۔ خلد کے لحاظ سے یہ نہایت ہی

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

لہ موزوں لفظ تھا - پسند ہوا - اسی ایک دخل جائی کی بنا پر سرخوشی اسکو اپنا استاد مانتا ہے

اسی تذکرہ خوانی و تراشی خراشی کی کشمکش و کوشش، اسی ابر کرم کی بارش اور اسی

دلکشا نغمہ رقیبانہ کے کاوش کے عہد میں ایسے بلند حوصلہ عالی فطرت شعرا بھی ہوئے

تھے جنکے شعر بھی نظر آتے ہیں - جو مدح طرازی، آستانبوسی، صلہ طلبی اور

خوشامد دل سے پاک بیزارہ کر بھی اپنی ناک خیالی دقت آفرینی اور معجز نگاری و سحر طرازی کی

بدولت سے ان اہل اور ایک درباری شعر سے بھی اپنا لوہا منوانے کی خاطر اسی کہنہ میدان میں

نئے اصول پر گرم تگ و دو رہے ہیں - ان تمام باتوں کا نتیجہ کیا ہونا چاہئے تھا - صاف

ظاہر ہے - رنگینی ایک قلموں کے پھولوں کی طرح پھوٹتی - اور طبیعتوں پر شبنم کی طرح برستی ہی

تازہ خیالی اور نادر جدت سے شعر کے شہر آباد ہوتے - جہاں ہر قسم کی خوشنما آئینہ اور دلپذیر

صاف اور دلوں کی بولی بولی جانی لگی - یہ لوگ حسن و عشق کے کوچے میں آتے ہیں - تو جذبات کی

نزاکت و لطافت اور حلاوت و ظرافت کے ساتھ ایسے کیف آور اور نشہ خیز انداز میں

ادا کرتے ہیں - کہ درد و سوز کے پتلے اور غم و اندوہ کی مورت نظر آتے ہیں عشق مجسم و

جان مبدم از لذت وے ؎

غرض شعر و شاعری کے اسی طرح کہ تزئین و رنگا رنگی کے عہد میں اور اسی اوج کمال و

انتہای ترقی کے آسمان کا ایک درخشندہ ستارہ بیدار دلستانی بھی ہے - جسکی اسی

عہد مسرت عہد کی خنداں فضا اور رنگین ماحول میں، اسی عہد کے چیدہ اور چوٹی کے ارباب

فضل شعرا و ادبا کے درمیان زبان کھولی، لطافت و نزاکت کے دریا بہائے - خیال بندی و

دقت آفرینی کے علم باندھے - ایہام پسندی و مستعار گوئی کے زور سے قطبین کو

ملانے کی کوشش کی - ذہن رسا و فکر تابندہ کی کمک سے نئی نئی کائنات کھینچ لائی، مثالیہ کو

حقیقت طرازی سے اور اسلوب کو [illegible] قائم کرنے کی جدوجہد

CC-0. JANAKI, Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اپنایا — اور اس دور اعتدال سے مثالیہ میں حال کو ضم کرنے لگا — اور اس طرز کو

دنیائے ادب میں اپنے ہی نام پر اس طرح جذب کرالیا — کہ کوئی تذکرہ نگار یا محقق

ہندی فارسی گو شاعر "گرامی" کی اور شعر کی تعریف میں لکھتا ہے — کہ

"چناں تمثیل را دادہ رواجے — کہ از روح غنی گیرد خراجے" —

لیکن اسکے کسی لفظ پر اعتراض کی انگلی نہیں رکھی گئی — اسکے معنی یا مفہوم میں کسی دقت کی

گنجائش نہیں پائی گئی — اسکے کسی فقرہ یا ترکیب کے غلط استعمال ہونے کا شبہ نہیں کیا گیا —

اسکے کلام پر کہیں کسی غلطی کا نقطہ مرتب نہیں پڑا — کہیں "سرقہ" کا داغ نہیں لگا — اسطرح

اپنی سحر بیانی سے ایک عالم کو اپنا مسحور بنایا، اور اساتذہ فن کے اہل زبان سے اپنا لوہا

منوا کر دم لیا — کہ

"چہ عجب طبعم اگر دعوی اعجاز کند — کہ بطبعم سخنم نزد کسے راسخ"

یعنی یہ کوئی بڑی بات نہیں اگر میری طبیعت معجزہ کا دعوی کر بیٹھے، کیونکہ میرے طبع سخن

میں کسی کو بھی کوئی کلام نہیں، کوئی شک اعتراض نہیں —

تذکروں میں اس دور کے ادبا اور ادبی حلقوں کی حالت کا بخوبی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے —

کہ حواشی نے مثالیہ میں کس طرز استدلال سے کام لیا — اور بعض اعتراضوں میں باریکیوں تک پہنچ گئے

اور ابہام بندی کی جو روش اختیار کی — زمانہ کے مزاج نے اسے اسطرح قبول کیا — کہ ساتھ ہی

اسکی تقلید بھی شروع ہونے لگی — جبھی تو محمد حسین غنی کو بھی کہنا پڑا کہ: —

"کس نہ بیند کہ مدعی ماند — کہ کفے بحر حرامے پدید نشود"

"کف" اور "ید" ایک لحاظ سے ہم معنی ہیں — مگر پھر "کف بحر" اور "ید بیضا" میں کسطرح امن و امان کا

فرق، تیاگی اور بیاعدطا ہر ہوتا ہے — یعنی کوئی بیباک دلیری کی روشنی کرنے سے

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

بار مقابلہ نہیں کر سکتا جس طرح کف بحر (سمندر کا مینڈھاگ) ایک بیحد ہلکا سا معجزہ ہے بیضا کا

محض ہمرنگ ہونے کی وجہ سے حریف و مقابل نہیں بن سکتا =

مولانا غنی نے تشبیہ اپنے مرغوب صنعت "تمثالیہ" میں دعوی اور دلیل کا جو طریقہ اختیار کیا ہے

پہلے اس کو سمجھ لینا چاہیئے "تمثیل خود تمثیل" کی تھوڑی سی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اصطلاح

(اصطلاح علماء ادبیہ)

اصل معنی کی دو قسمیں ہیں — "عقلی" اور "تخیلی" — عقلی وہ جسے تسلیم کرنے میں

عقل کو کوئی تردد نہ ہو — اپنے دعوے کے ساتھ ہی سننے والا سنتے ہی بول اٹھے "تسلیم"

ہمیشہ، ہر دور میں کسی نہ کسی رنگ میں کلام میں آتا ہے — کبھی لفظ عقل کی بجائے معتقدات عامہ

یا کسی نہ کسی حواس پر مسلمہ ہی ہو — خصوصاً یہ کہ عقلاً و عادتاً ممکن ہو یا قابل تسلیم مثالوں کی

"سخن عاقل و ہشیار نباشد یکساں + نفس خفتہ و بیدار نباشد یکساں"

یعنی ایک دانا اور ایک نادان کی (عاقل و ہشیار) کی گفتگو برابر نہیں ہو سکتی ہے جس طرح سوئے ہوئے اور

جاگتے انسان کے سانس لینے میں فرق ہوتا ہے — (کہ بیحد ہلکا دعوی کیا گیا ہے — اور

جس تمثیل و دلیل سے ثابت کرنا چاہا ہے — دونوں ہر کسی کے ہاں عقلاً و عادتاً مسلم ہیں

یا — "در دلکر دلبر تمنوں رنگین لطف نیست + کم دیدہ رنگدار کہ سبز خدائی لبستہ را")

دعوی کیا گیا — کہ ایک رنگین معشوق کو بار بار باندھنے کی لطف نہیں رہتا ہے = تمثیلاً یہ دلیل دی گئی

کہ ایک دفعہ لگائی ہوئی مہندی دوسری دفعہ لگائی جائے تو کچھ رنگ نہیں دیتی ہے — طبع سلیم

سب مسلمہ ہے — اب اس دیکھنے کی بات یہ ہے — کہ اس جگہ "عقلاً" اور عادتاً مسلمہ دعوی اور

دلیل کو کس نزاکت، مہارت، روانی، عذوبیت کے ساتھ باندھا گیا ہے — اور رنگین سے اور

رنگین مضمون کیلئے کیسے رنگین الفاظ چن گئے ہیں — مولانا غنی نے کہاں سے ایسے مضامین میں

جنہیں کوئی مضمون نہ دے، چرا لیا ہے — یا کوئی خلکر ناعر جو ایسا دل لگا کر یا کسی اور رنگ میں

پیش کر سکا ہے — یہ تو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے — ایک ایسے ہی اشعار سے الفاظ

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے ۔ کہ :-

زمضمون دو دو ہاتھ لے یار سے نازک میان ما + جان یہ لیتم مضمون را کہ متوانند کہ بردن

ورنہ ایک دیوان کاغذ سرسید " حسن مبنے بخیا مبنے را کہ بسر + دام ہر رنگ مبنے نہ دلخواہ مبنے

سمجھا گیا ہے ۔ اسکے جواب کی بھی کوشش کر لگی ہے ۔ جسکا حوالہ آگے آتا ہے ۔

معنی کی تیسری قسم اسکے برعکس ۔ یہاں شاعر کو صداقت کی پروا نہیں ۔ مسئلہ کی ذرا ضرورت نہیں

حال کو کسی قدر تخیل کے ذریعہ ممکن کر دکھانا ہوتا ہے ۔ جو بھی دلفظی ہی کیوں نہ ہو ۔ کبھی

کسی استعارہ کے ذریعہ معنی کی کوئی شے کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ اسکی عام مثالیں

غرابت نشیہم ہو چکی ۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی پسندیدگی کی ہے ۔ اس بحث میں مجھے اگے جانے کی

ضرورت نہیں ۔ اتنا کہنا کافی ہے ۔ کہ مولانا غنی نے اکثر معنی کی اسی قسم کے مختلف پہلوؤں سے

کام لیا ہے ۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے یعنے کسی زہر لگی ماہ وشی کا ذکر ہے ۔؟

کف بر حریف بیضا نشد " ۔ اس سے زیادہ مثالوں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ۔

ورنہ بحث معنی و اقسام معنی بہت لمبی چوڑی ہے ۔ طوالت

جب کسی صاحب ہنر، صاحب علم و فضل، دفعہ کو اپنے فن میں کمال، یا اپنی دماغی و تخیلی صلاحیت میں

انفرادیت کا یقین ہو جاتا ہے ۔ تو اس میں ایک گونہ اعتماد نفس پیدا ہو جاتا ہے ۔ جسے اقبالی

اصطلاح میں خودی، یا آجکل کی تنقید نگاری کے محاورہ میں " انا، و " انانیت، سے

تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے " دگر دانای راز آید کہ ناید، جیسی صدا گونجنے

لگتی ہے ۔ اسی خود اعتمادی کی بنا پر محتشم کہتا ہے ۔ کہ مولانا غنی کو بھی شاعری + میں اپنے

طرز خاص مثالیہ میں اپنی ہمہ گونہ دماغی و تخیلی صلاحیت میں انفرادیت کا یقین ہو کر اعتماد

نفس کا درجہ حاصل ہو چکا تھا ۔ تبھی تو کسی زہر لگی ما ..... قسم کے انانیت پرورانہ اشعار

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

امکہ فوائد قلم سے ابل پڑے ۔ کیا جا سکتا ہے ۔ کہ یہ محض شاعرانہ تعلی تھا اور فخریہ قسم کے

اشعار میں ۔ جو ہر شاعر اپنے اپنے رنگ میں کہتا آیا ہے ۔ اور کہتا رہیگا ۔ یہ بھی بہت ہے ۔ مگر یہاں

لفظ نہ لگنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ تعلی کا اسکے رنگ و طرز کا جو یہ انداز جانا ۔ جس اعتماد نفس کے

ساتھ میں پیش کیا جا رہا ہے وہ کچھ الگ بات ہے ۔ اور فخریہ وہ جہاں فخر شاعر "لوح و قلم" کو اس

دو شاہد نمائندہ و ثقہ بیان کرتا ہے ۔ "ایک لیہ ہات طبع لوح و قلم را" تحقیق

صحیح پیچھو نہ شاہی وہی اعتماد نفس کا رنگ ہے ۔ یہ فخریہ بھی اعتماد نفس ہی کی ایک شاخ ہے ۔

ناشدہ مں اندوہ دیر اور سنج ۔ دعوی گزاف چو مرد مدار اعتبار + بچو شمشیر کہ میباید زدن جنگ"

گزار میکند سخن از اصد زبان ۔ ہر جا کہ دعوی علم شنیدہ گہت" ۔ اشعار بالا دام ماند جمیع علم ۔ الواحد دوات بادل

اور ۔ "از نزاکت او فتد مضمون من ۔ گر بمضمون کسے پہلو زند"

اپنی مضمون آفرینی اور اسکی نزاکت میں اپنی انفرادیت کا اظہار کس متفخرانہ انداز سے

کیا جا رہا ہے ۔ یعنی میرا مضمون "نزاکت کے رتبہ" پر ہے گر جائیگا ۔ اگر اسمیں کسی اور

مضمون کے ساتھ کسی قسم کی ہمراہات پائی جائے" ۔

یعنی قلی کی ضعف سے بھی جانے کی کیا مجال ۔ بلکہ روز ازل ہی سے مضامین باندھ باندھ کر اسکے حوالے کئے گئے ہیں ۔

اور نیز ۔ "اگر لب از سخن گفتن فرو بندیم خاموش + کہ بعد از نزاکت نا پسند معنی ما را"

یعنی ہمارے "معنی" اسقدر نازک اور باریک ہیں ۔ کہ اگر قلم سے چھوڑ دیا جائے تو بھی نہیں

پس ایسی صورت میں ہمارا خاموش بیٹھے رہنا کیا معنی ؟ ذرا سی لغزش بھی کرنا چاہئے ۔

ایک طرف سے اپنے "پیرو" کی عربی پھرنے سے اجتناب کی کیسی تعلیل کی گئی ہے ۔ اور دوسری طرف

اپنے آفریدہ مضمون میں نزاکت کی کیسی توجیہ ہے ۔ حرجا ۔ اور بھی مایت ہے

"حسن سبزہ خط سبز .....) وائے تمرے مقابلہ میں دو تین تو میرے نظر سے گذرے ہیں

مگر کوئی ہے بہت نہیں ۔ آپ ہی سنئے : ۔ یقول "لسنی بیزان" (۱) اور حکیم حاذق "آرزو"

"سبز خط آفت جان لبہ نمیدانم + دام در سبزہ نہاں لبہ نمیدانم"

(۲) ہمارہ دلی : ۔ خورد م زخط فریب جمال غبار او + ہرگز سبزہ لبہ بیند شکار او" ۔ "سبزہ خط"

(۳) "سبزہ خط او بسے رنگ دہ بیند + ہما بار خط سبزہ بسے بیند"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

امیں بہ تحریری فرق کچھ نہ کچھ معنوی تفاوت رکھتا ہی ہے - مگر دونوں کے

شعر کے مقابلہ کے لیاظ سے اگر کوئی شعر قابل اعتناء ہے تو وہ بہادر شعر ہے - شمس العلماء

اجائف اور الفاظ کے دھوکے میں گرفتار ہی جاتا - اسی لطیف کتابہ میں ادا ہے - جو ایک اچھے

اثر انداز میں بیدلی حامل دلطف کے وہ تخم دیتی ہی سکتا ہے - مگر جہاں یہ لطیف کتابہ ہی جاتا

اور اسکے اسباب معلل جس بھونڈے طریقہ سے متقاضی ہیں - وہ "دام ہر مرغ زمیں بھود گرفتار ہستم" میں

جسطرح ادا ہوا ہے - دوسرا طریقہ ہرگز نہیں ہو سکتا - پھر وہاں "سبزہ خط" پر ہی حسن تعلیل

ہی کو دام بنایا گیا ہے - اور بولنے کے شوق میں خط سبز زمیں اور خط سبز دام

بنا کر گویا اجائف اور الفاظ کو معنوی یا بیہودہ گرفتاری کے تمام حالات پیدا کیے

نظر آتے ہیں - اور دام ہر مرغ زمیں بھی ہو سکتا ہے = ہر طرح کی شکستہ اندازوں کے

مختصراً یہی بات ہے - کہ شعراء عصر پر کیس امکانہ کلام کے سننے کیلئے قصیدہ گوئی کرتے تھے -

مگر الفواء ایران مرزا صائب ہندوستان سے پہلے جانے کے بعد اگر کسی شاعر کا کلام سننے کیلئے میسر

نہ آتا - تو وہ بیدار غنی اور صرف غنی ہی ہے - جو کوئی نو وارد ہندوستان سے ایران پہنچ

جاتا - تو میرزا صائب اپنے لئے تحفہ کا طبقہ ہی تا - جس سے اسکی مراد غنی کا تازہ

کلام ہی ہوا کرتی ہے - اسیطرح ابکار ایرانی متوفی وہ شعر زمانہ نواب مرزا طاہر وحید بھی

اگر کسی غیر ایرانی شاعر کا دیوان گرویدہ ہو گیا تھا - تو وہ بھی یہی بیدار دلستانی ہے

چنانچہ اسیکی طرف اس شعر میں اشارہ پایا جاتا ہے :-

"با ایران سخنہا دواں میرود ——— چہ ایراں، سخن در دہاں میرود"

لفظ ایران کلام ایران میں خود ایہام رکھتا ہے - اب کہ ایران کی کیا بات، یہ تو دنیا بھر میں پھیل گئی ہے"

کشمیر کہ "ایران صغیر" نام سے میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حولناغنی کی صحبت نے بابا فغانی

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اور الی زبان دانی کے ساتھ نادر مضامین، دقیق خیالی اور اچھوتے استعارات کی پسندیدہ خوش و تراشی کی بھی ہمیشہ گیر شہرت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

گھر بیٹھے بیٹھے ہی ہندوستان کے گوشے گوشے میں جہاں تک کلام کے چرچے ہوئے ہیں۔ اکثر شاعر بھی اپنے مخصوص تمثیلی انداز میں یوں فرماتے ہیں۔ "چاں نام نی روشناس است در ہند" یعنی "نقشی کہ من میآرایم" اور "روشناسم چو مردم دیدہ" یعنی "گرچہ از خانہ برون آیم" یعنی "میرا نام ہندوستان بھر میں اصطلاح روشن پیچانہ ہے۔ جس طرح ایک (پہرہ دار) آنکھ کی کالی کنڈی نقشی سیاہی میں شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح میں آنکھ کی پتلی کی طرح روشناس پیچانی جاتی ہوں۔ اگرچہ گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھتی ہوں = آنکھ کی پتلی بھی آنکھ سے باہر نہیں جاتی ہے۔ مگر پھر بھی ہر کسی کو نہیں ملتی ہے۔ سیاہ چشم کی اور پہچانی جاتی ہے = روشناس کے معنی ہیں مشہور ہونا یا معروف ہونا ہے۔

اسی عام پسندیدگی کو بھی اپنے طرز کا بہترین حصہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"معنی چو حاصلہ نوازش گیرد — ہمیں بس است کہ گوش زقت عالم دارد" — یعنی معنی کو کیا ضروری ہے۔ کہ وہ کسی اپنے لئے حاصلہ ڈھونڈتا پھرے اسکے لئے یہ کیا کم ہے۔ کہ اس کو نئے انکے عالم کو مسخر و مسحور بنا رکھا ہے۔

آخر

آخر دلتا غنی ؟ بجائے بیانگ یعنی مقابلہ میں ایہام بندی اور دقت آفرینی بھی کا رنگ بعد عام اور مبتذل ہونے لگا۔ کہ اکثر شعراء کے ہاں شاعری صرف اسی طرز ایہام پسندانہ تمثیلیہ لفاظی اور خیال بندی، اور تلاش تازہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ جسکو تازہ بانی سے تعبیر کرتے اور اسی کو صاحب "تلاش" کہنے لگے۔ یعنی جو صرف تازہ مضامین ہی کی تلاش و تراش کے فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ہاتف نے سرخوش اپنی تصنیف کلمات الشعراء میں "بینش" کشمیری کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

"دیوانی را سراسر سیر کردم غیر ازاں در جلیت "تلاش تازہ" بنظر در نیامد ....." یعنی "تلاش تازہ" کے

بغیر اکثر نزدیک "بینش" کا کل دیوان کسی کام کا نہیں ۔ حالانکہ صاحب "کالیف ابرار" کا لیبت الکھاج

کہا ... صاحب دانش و بینش بود و در شعر و دعای آبدار سخت ..." اور "آتشکدہ" کا مصنف

جو غنی کے متعلق اسطرح لکھتا ہے ۔ "صاحب دیوان ہست اما از تمام کلیات اش ہمیں بیت ملاحظہ

نوشتہ شد بلا گفتہ ۔ "فاعدیم احتیاج کہ طومار روزگار ۔ حق باز شد رسد بیرانی گوی او" ۔

~~چیز بینش کہ غنی کہ کلیات~~ مطلب یہ ہوا ۔ کہ غنی کے کلیات میں سے آخر

صاحب آتشکدہ کے مذاق کا یہی ایک شعر نکل آیا ۔ پھر یہی مصنف بینش کے حق میں لکھتا ہے

کہ "در زمان او یار خلوتا و (کثیر) ہست ۔ در زمان او رنگ زیب دیوانہ آباد ہے بعد از ہست بر گفتہ

خود گفتہ ہست ۔ "تا یک سخن دان زایدہ ستائی شنید ۔ از ہر کرک ہزار سخن ہیوال شنید" ۔

لہٰذا یہ طے کیا ۔ کہ اس کلام سے بھی ایک شعر انتخاب کے لئے لیا جائے ۔

میں کوئی الگ تنقیدی مضمون نہیں لکھ رہا ہوں ۔ یہ تو دیوان غنی کی تمہید ہی دے رہا ہوں ۔ لہذا مجھے

مختلف اوصاف و اضافات یا موضوعات کی ایک متنوع فہرست تیار کرنے کے متعلق مختلف

اشعار کے سنی کے مطابق الگ الگ عنوان قائم کرنے ۔ اور ہر عنوان پر دو تین بیتوں کو بطور کلام

پیدا کرنے کے لکھ کر طوالت میں نہیں پڑنا ہے ۔ نہ میں اس قسم کی تنقید کا قائل ہوں ۔ لہذا ایک

عام نظر یہ ابتدا جو دو ناچیز عملیت کے مطابق انکی شاعری کے متعلق پیش کرنا ہی کافی سمجھتا ہوں

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

غنی ۸ جو کچھ ہم تک پہنچا ہے ۔ اس میں دو چھوٹی مثنویاں ہیں ۔ ایک حجام کے متعلق طرافانہ ضخامت

دوسری مدت سرما و یخ بستگی پر ۔ پہلی ۲۸ اشعار کی ہے ۔ اس میں ۲۷ اشعار تو لکھنؤ کی مطبوعہ نسخہ میں

درج ہیں ۔ ایک شعر اندلی نسخہ میں زیادہ ملا ہے ۔ دوسری ۳۸ اشعار کی ہے یہ مطبوعہ نسخہ میں نہیں ۔

اپنے کتاب کے کردیے گئے ہیں ۔ پھر مختلف نظمیں ہیں ۔ ان میں ۱۰ قصیدہ کہ ملک سخن

نہ قطعات ۔ ایک ردیف "درد" والا نشی یعنی خمسہ بنیر جو بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف

(مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات (یا فاعلن)) میں ہے ۔ باقی سب بحر رمل مثمن محذوف اور ابتدا جو

سالم عروض و ضرب محذوف (یا مقصور) (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) یا محذوف ابتدا سالم

جو جیون، عروض و ضرب مجنون و مقصور (یا مخبون) (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات (فاعلن))

میں ہیں ۔ اس میں ۳۵ اشعار ردیف الف کے ہیں ۔ ایک میں حصے ہیں ۔ ایک حصہ میں ۱۶ اشعار کا

اپنے گھوڑے کی عماری، نحافت و ناتوانی پر ۔ پہلے ۱۲ اشعار ایک حصہ حرف اپنے درد اعضا کے متعلق

مضمون تراشیاں ہیں ۔ دس اشعار کے ایک حصہ میں دیر جانی ضلالت میں حصول آفرینش و وصال سے

یعنی الدہری راہنورد کے ایک قلمی نسخہ میں اس میں ۶ اشعار اکٹھا کی صورت میں لکھے گئے ہیں ۔ ۱۶ اشعار

ردیف میم کے ہیں ۔ یہاں بھی وہی مختلف و متنوع مضمون آفرینیاں ہیں ۔ ۱۸ اشعار کا ایک حصہ

ردیف ب) میں اور چھ ۱۲ کا دوسرا حصہ ردیف ن) میں ہیں ۔ یہ دونوں "در صفت زمستان"

ہر کہیں تشبیہ انگیز جھلکیاں ہیں ۔ بحر میں ۱۰ یہ نجی قطعات ہیں ۔ حرف (۱) ابو طاہر کلیم ۔ (۲) میر الٰہی (۳)

امیر الدین ارزاں کی رباعیاں لکھی گئی ہیں ۔ بحر مولانا روم کے شعر "رشتہ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست" دو سو بیت چڑھا کر تضمین کی ہے ۔ غزلیات و فردیات کے دس بارہ کم

سولہ سو اشعار ہیں ۔ مکمل غزلیات بیس کم ۔ دو یا تین دو بیتی اور فردیات زیادہ ۔ رباعیاں مطبوعہ ۹۳

اور اب دو سو اور زیادہ ملی ہیں ۔

اس ساری گفتگو سے [illegible] میں کوئی ایسی چیز

CC-0. JNTA GPI Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

ملیگی - جنکے گرد گھوم کر دلنشاں محفل زادے فلم کرایں ۔ رنگ برنگ، متضاد اور متقابل

فلم کے مضامین دعائی تراشتے ہیں ۔ اس شمع کے انار محفل میں ایک دلچسپ منظر ہوتی ہے وہ مزا اس آگ

جو پتنگوں میں پڑھکر ہو سکتی ہے ۔ فلم میں شمع کم ہوتی ہے ۔ دولتمند سو سے زیادہ موقع پر

اسکو تمیز دار بالتشبیہ جلد کر بزم خیال کو روشن کر دیتا ہے ۔ خود بخود ان چند انوار پر اکتفا کرنا

پڑتا ہے ۔ (۱) اگر دو ماند شمع لیکہ در راہ فنا ۔ دور بنہ گر لمیزد دہ کہ دہم عفا ۔

چند گر دوی چہ راہ فنا مند ۔ ہاتف من ای عفا (دہ عفا) بی کو دادہ ہیں ۔

(۲) بزم درہم گر خود افسردہ ای مرکن چہ غم ۔ صبح از دامن شمع ار نماند ہوا ہا ۔ ہجر پروانہ گی

عزاداری بی دل (۳) بے تو بر شبہا سحر دارد فنی بود و گداز + شمع ما این شب ہمہ حال ہست اوی دلخستہ را ۔

بال شمع کی رات بھر فراق کی وجہ سے سوز و گداز کا شاہد بنا کر کھڑا کیا گیا ۔ (۴) مارا چو شمع سوختہ بحث

فانی غنی ۔ اجزاء زندگی ہر یک منکسم ما = کیف لطیف سوختہ = شمع بجھنے کو خاموشی شمع پھر جلنے

کہتے ہیں = اب اپنی خاموشی کو جرگ سے نسبت دینے میں شمع کو لکھتے ہیں = شمع یہ کہ زبان، یہ شمع کی لو

ہی کہ دولیہ ہماری زندگی کا اجزاء مرکبہ ہے ۔ شاعر کہتا ہے زبان گفتار ۔ اور شمع کہتا ہے اسکی لو ۔

زندگی کی علامت ہے ۔ پھر بھی محفل دوستاں پیر آمیں (۵) ہو شمع شد روشنم از شمع کہ در بزم

عرفی ۔ خاموش شدن جرگ یعنی ابل زبان را ۔ شمع، روشنی، بزم، خاموشی، جرگ، زبان سب

تلمیحات کیلئے انداز میں لوٹتے ہیں ۔ اور خاموشی جرگ کے برابر ہونا کسطرح بتایا گیا ہے ۔

اور فنا کی تمثیل کی کیا نادر مثال ہے ۔ شمع کی لو کو برگ شمع کہا گیا ۔ (۶) باد آہ جگر سوز و داغ

بر دل شمع + شمع کو بجز شعلہ مرا برگ مسافرت = کس سامان سفر ۔ آہ جگر سوز یا شعلہ شمع ۔

(۷) شمع میگوید بیا بل بزم ما سوز و گداز ۔ سر بر دل پیش این مشکل دلا گل چیدن است ۔

یعنی شمع بولنی لگی ۔ وہ بھی سوز و گداز کی زبان ۔ مشکل دل سر کانٹہ کو (دل کو تڑپ) کو پھول چننے کے معنی میں لیتے ہیں

اوپر داد عیش میں سامان سفر مشکل شمع قرار پایا ۔ ادھر فطرت نے تجرد انہ کی صورت اختیار کرنے میں سود و زیاں

(۸) چون شمع ناصاف راہ عدم ۔ مردانہ بر شکم مرا زاد سفر ۔

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

دیدہ اب دو پروانوں کو شمع کی بھی پروا نہیں۔

دیر جلی پروانہ را دور است فانوس فرصت + شمع دربازار خوبی خوش دکانے گرم کرد

فانوس کو دکان بنا کر کسواج گھی بازار گرم کر دیا گیا — اسی قسم کا ایک شعر:۔

نہاں نہ شمع در فانوس می شد بیتاب پروانہ بقصر بے دکانی خویش خوباں گرم میسازند — یعنی جو اہل

دل کہ کبھی نہیں تھے آئندہ باز نہ ہونے کے دلدادہ لیڈر حضرت کوئی بیتابوشہ چھوڑ کر اپنی دکان گرمانے کے

لئے دیدہ و دانستہ جیل میں گئے۔

آئے اسیر شمع کے پروانہ آسیا، کز گردش می لاشہ بیابی دو چشمہ حصار میں پائیدہ گئے ہیں۔

زیادہ گہرائی میں دو متن ہمارے ہیں کافی ہوگئے۔

(۱) روزی ما میشود از غیب دیگران — طالع برگشتہ ہمچوں آسیا دارم مدام — پیاری آسیا کی

"برگشتہ بختی" کی وجہ سے — اور اسکی روزی دوسروں کی نصیب ہوتا ہے۔

(۲) نا رزق خود رسد بدہانت چو آسیا — دایم خموش دار زبان سوال را = چلو سوال کے بغیر ہی

روزی خود بخود منہ میں آنے لگی — (۳) چوں آسیا پرس ز آہ پیہم غنی — کز چشم ہا بگرد سفر فوارہ ہا رواں

آسیا — اور آہ پیہم — مدام — گرد سفر کی وجہ سے نیند کی آمد میں آنکھوں سے چشمے جاری ہے۔

دوسری سرخی: زیر دست اضطراب زیر ادا کو دل دارد — دوست ہا بر کلام فی دوست آشنا ہے

دوستی کہا گیا — کہ اگر اضطراب ہے تو زیر دست کے — اور ایک عاشق دوسرا عاشق زیر دست کو — دلبری ناز سے دو گواہ

دوستی کہا گیا — اسے چکر کے دو پاٹ حاضر ہیں =

اسکے پروانہ شمع کو لیتے ہیں — فرہاد شیرہ وجد حضار میں ہیں — دوستی نہاں ہی کی نشہ

(۱) کاروان عشق خار دلسکہ در راہش نہاد + ہمچو رگ خفتہ سفر دو منزل خود را

کاروان عشق کی تیز خرامی — دو منزلہ ثابت کیگئی (۲) کہ آواز آتی ہے دور یا قریب سے

چو رگ خفتہ رگ مسافر در طن ناقہ = مسافر بھی مقیم ہیں۔ نہ مسافر نہ مقیم —

زندگی کی ہر لحظہ کی خبر کوئی خود رہے (۳) ہر دم بیرگ خفتہ رگ ہا رواں شود + غافل چہا گزشت ز کاروان عمر

اسکے بعد تیر اور تیر کو بھیجئے — اسمیں یہ واضح کرنا ضروری ہے — کہ فارسی لفظ پیکان

کشمیری ترجمہ تیر ہے — اور چونکہ تیر کے ساتھ پر کا ہونا لازمی ہے — لہذا دونوں ترادف لفظ ہیں

خیال ہے اسکو مختلف پیرایوں میں باندھ کے کہ — چند مثالیں ملاحظہ ہوں! —

(۱) ترکیخ ایاں ترک خونریز از پئے نخچیر کرد — پر بروں آورد و از پیکاں دو حرف تیر کرد۔

(۲) مخمورانِ فلزن چہ سحر پرداز اند + کہ صد پرند بیک تیر بے پر انداز اند — کشمیری ایک

پرانی ضرب المثل ہے یا محاورہ — بے پر اڑانا — (چھوٹی اخوام) اردو میں بھی بے پر کی اڑانا"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اسی مفہوم میں ہے ۔ کسی شخص سے یا شعاع سے اس حرکتی آواز کا تیرِ نظر اور شست سے جستہ ہونا +

دہلوی چترکتی تا بیر گستہ ہونا ۔ قاعدہ ہے کہ کمان دار لوگ ترکش کو کمان میں لٹکا کر بائیں پہلو میں دبا رکھتے ہیں ۔ اور تیر میں چوپر لگا دیتا ہے ۔ وہ اگر باہر رہتا ہے ۔ اسی حالت کی تصویر کسوٹ کھینچی گئی ہے ۔

اب بحث اور شعر ہر ایک ختم کرتے ہیں ۔ سطر ۱ سعی ملتمسی بجائے میرسد + آدم بے برگ و تیر بے پر است

ہر حال میں پچھے بسلسلہ پیس ہر جزم کر دینا چاہئے ورنہ کل دیوان اسطرح اب ایک شعر کر کے ختم ہو رہیگا ۔ ان تمام باتوں کو دیوان کے مطالعہ پر چھوڑنا چاہئے ۔ اب مرہی طور پر دو شعر باقی ہیں جو تصوف سے تعلق رکھتے ہیں ۔ دیوان میں ہر مقام پر حال اور ہر طریقے کے آثار و مقامات موجود ہیں لیکن تصوف اسمیں بھی جو کچھ کہا گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل اور ارباب طریقت کے مقامات و واردات سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور رہی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔ (۱) دل جاں پرور کہ بہ آرام رسانند خدا + چشمِ بد دور از آن مادم آفرینندہ خدا

دل کثرت بعد اوہام و آمال اور خوف اختلال ۔ اور ہر دو جہاں سے پریشان نہ ہونا ۔ اور ان پریشانیوں میں پڑ کر آرام دل نہ کھو بیٹھنا ۔ آرام دل کیلئے یکسوئی ۔ اور یکسوئی کیلئے یاس انفاس کی ضرورت ہے ۔ اور یاس انفاس کیلئے فکر اور فنا بالفقر چاہئے ۔ یہ ایک لمبا سلسلہ ہے ۔ اسکی تعلیم کن مختصر الفاظ میں کس جامع طریقہ پر دی جاتی ہے ۔ اور مبتدی کو فکر اور فنا کی تعلیم اب اور بھی سادہ اور واضح طور پر دی جاتی ہے ۔

(۱) "مگذار از قلم و تقدیر پا بروں ۔ سر مشق چیست ۔ ضبط سر نوشت دل" (۲) "دل ایدل آگاہ نباشد ۔ بارہا نا خواندہ باشی ۔ یک نفس غافل مشو از نکتہ خوانا بپرد" ۔ یہاں بھی یاس انفاس اور راقبہ و فکر و فکر میں مشغول و مستغرق رہنے کی تلقین فرمائی ہے ۔ جسے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں "تفکر" کہتے ہیں ۔ یہ عوام کا درجہ نہیں ۔ خواص کا ہے ۔ اسلئے شعر بالا میں "دل آگاہ" ہی کے لحاظ سے لفظ "نباشد" اور اسکے لئے "کہ غافل نہ شود" اور "نکتہ خوانا" میں بھی واقفیت کا ایک حصہ بتایا جاتا ہے ۔ "تفکر" بھی دل کی یکسوئی کا ضرورت ہے ۔ وہ ہر قسم کے وسوسہ کے بغیر بے صوت و بے صدا خاموش فضا میں میسر ہو سکتی ہے

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رات کے آخری حصہ میں - زمین، آسمان، چاند ستاروں میں دیکھ دیکھ کر
اختلاف لیل و نہار وغیرہ پر تفکر فرمایا کرتے تھے - سورۂ آل عمران کی آخری رکوع اکثر تلاوت فرماتے تھے - جس میں
"ان فی خلق السموات والارض ... لآیات لاولی الالباب" لایا گیا ہے - یعنی اس عظیم نظام کائنات میں نشانیاں ہیں (کاملین و عارفین)
عقل رکھنے والوں کیلئے - اور پھر ساتھ ہی ان عقل والوں کی تعریف بھی کی گئی ہے - کہ وہ ہر حالت میں
خدا کی یاد (ذکر) کرتے ہیں - مگر ان مکونات پر تفکر کرنے میں مستغرق رہتے ہیں - خلاصہ کلام مولانا
رومؒ فرماتے ہیں کہ ذی حل ایسا نہ ہو کہ اس تفکر سے تو ایک نفس کیلئے بھی غافل ہو جائے - اور تجھ پر
خواب غفلت (کہ موت کے بعد) غلبہ پا کر تجھے "استحوذ علیہم الشیطٰن فانسٰھم ذکر اللہ" کا
مصداق بنائے - یہاں پر یہ بات بھی واضح کر دینی ضروری ہے کہ مسلمانوں کو قرآن میں ارکان خمسہ
صوم، صلوٰۃ، شہادتین - حج و زکوٰۃ - کیلئے جتنی بار امر یا تاکید ہوئی ہے - اس سے سینکڑوں بار
زیادہ اسی "تفکر" کی تلقین کیلئے ہے - رجب طاہر دیؒ - دریا کوزہ میں بھر دینا بڑا ہی تشریح
ذہن میں سمو کر امکان تحریر ہے - وہ کہتے ہیں "بنا شد طاعت مقبول غیر از فکر او ما را + بنا شد جز تہم
محراب گریاں سر فرو ما را" اخفاء حال میں کوشش کرنے والے سالکین طریقت کے بارہ میں وہ کہتے ہیں
"از سلوک جاب باطن کے آگاہ نیست + سجدہ در آب و نقش پائے او در راہ نیست"
الفؔ "خوش آن سالک کہ گرد بیش و عیب نیستی را + رود در آب تا بخشد ازو نقش قدم پیدا"
اس قسم کے مشاہدات اگر بیان کئے جائیں تو بہت ہو جائیں گے - تاہم کبھی کبھی تشریح ضروری ہوتی ہے - اسطرح ضرورت سے زیادہ
طوالت میں جانا پڑے گا - لہذا ایک اور شعر پر اکتفا کرتا ہوں - جس میں انفاس قدسیہ والیاء نظام
علیہم الرحمہ کے احیاء موتیٰ کی کرامات کا ایک انوکھی مثال سے ثبوت پیش کیا گیا ہے - ارشاد ہوتا ہے
"زبانی نے بہ آواز بلند این حرف میگوید + کہ میسازد یک دم چوب با صاحب نفس گویا"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

... عاجز نفس گیا ... اور ما سے عرفانی کے بارہ اثر بیدا ہوتا ہے - چشم بر کشا شہ از سر عرفان روشن - جو ہ طور زیر گرفتہ
اصطلاح اخلاقیات - زہد و ورع - دعوی وغیرہ وغیرہ - پر عمل و ہر مذاق کے افکار غنی کے ہاں مقبول ہیں
کا وہ خواہش رکھتا ہے ہیں " چراغ دودغی چشم طمع بر دوست دنیا - کہ از لقمہ تنگی در میرزنی گیرے روان دارد
مولانا کے شعر کی اگر خصوصیت ہو بھی ہے - کہ انہوں نے بعض کشمیری عاقدوں کو نہایت کامیابی کے ساتھ ترجمہ کرنے
طرح استعمال کیا ہے - کہ خط ایرانی جاوید دکھائی دیتے ہیں - مثلاً پانی پر سے چلنا کشمیری عاقدہ ہے - نہایت اچھے
کام لیا - بجوئے بیدلے نم دخم دکھا ، اخفاء راز میں سعی بلیغ کرنا ، دیکھئے کیسے مضامین موقعہ نہ رنگ میں پیدا کئے ہیں
اور کیسے جی خوش باندھے ہیں - متذکرہ صدر دو شعر میں از مکتوبات باطن ... اور خوش آں سالک بہ پاں ہم
پڑھئے - اور اسکے علاوہ ایک اور شعر بھی سنئے " خرق عادت کے بجائے ایں قدر کہ + گر رود میرآب بتواں معتقد شد مردمے "
اوپر کے دو شعروں میں کرامات اولیاء اللہ کا بیان ہے - اب اس شعر میں اسکے برعکس - یہاں پر تھوڑی سی تشریح کی ضرورت ہے
کسی شخص کی کوئی پیشگوئی - جو کسی علم یا عمل مثلاً رمل جفر ، نجوم ، قیافہ ، سیمیا وغیرہ پر مبنی ہو - اپنی اندرونی فضا کے
ذریعہ سے ہو - اور وہ اسطرح ظاہر ہو - یا کوئی ایسا کام - جو فطرت کے عام معمول و عادت کے خلاف واقع ہو -
جیسے کوئی مادر زاد اندھا - بینا ہو جائے - یا کوئی پانی پر سے اسطرح چلے جسطرح زمین پر چلتے ہے - یا اپنے سجادہ کو
کسی کیطرح انسان کر سکے - جیسا کہ بوستان میں شیخ سعدی اپنا چشم دید واقعہ سناتا ہے " قضارا مرا در بیابان
رسید از خاک مغربت آب ، اس پر فارسی کا لفظ ہے کہ اتنے میں کشتی نہ کرایہ کوئی پیدا نہیں تھا - انہوں نے اپنا سجادہ
پانی پر بچھا دیا - اس پر بیٹھ گئے - جیسے ہماری کشتی ہو ہی پار اتر گئے - اسکو " خرق عادت " کہتے ہیں
یعنی فطرت کی عام عادت میں چھیڑ پڑنا " - اسکے تین درجے ہیں (۱) جو انبیاء و مرسلین سے صادر ہو
اسے معجزہ کہتے ہیں (۲) جو اولیاء اللہ سے ہو اسے کرامات کہا جاتا ہے - اس کو بعض علماء نے یا سیمیائی خدیعہ کے
ذریعہ وقوع پذیر ہو - اسے " استدراج " کہتے ہیں - یہ شیطانی افعال ہیں اور استدراج شیطانی کہلاتا ہے
اس لئے ہیں " خرق عادت " کی پہلی اور دوسری شق کی تردید کیجاتی ہے - یعنی جسطرح ایک مردہ لاش کے
پانی پر سے گذرنے (بہتے رہنے) کو کرامات یا معجزہ نہیں مانا جا سکتا - اسیطرح " افسردہ دل " (بیمار دل)

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

لوگوں کی خوش عادت ، (استدراج) کا کوئی بھی معتقد نہیں بن سکتا ہے ۔۔۔

اسطرح عشقیہ مضامین بھی ہیں اور اخلاقی بھی ۔ مگر دیسی رسمی و روایتی ۔ البتہ اکثر (فیضاً مضمون)

اسی رنگ میں ۔ انگشم کی دیگر قسمیں ہیں ۔ ایہام بندیاں ہیں نزاکتیں ہیں ۔ خاص قسم کی معنی آفرینی

بھی نرالی ہے ۔ صاف ظاہر معلوم ہوتا ہے ۔ کہ محض اسی دقت آفرینی ، ایہام پسندی ، دہلی ہندی کے ایجاد

کردہ فن ہوئے ہیں ۔ دیدہ دلی اور خوش جگر گے عادی ۔ مثلاً دیدم چہ یار و دیدم دہان یار + ہمہ ہیچ دیدم جز دہن

اب اسی شعر کی مثال لیجئے ۔ کتنا پیچیدہ ہے ۔ اگر صنائع و ایہام اور ایہام کی نظر میں ایسا کھلا ہوا نہ ہوتا ۔ تو کہتا ہیں ۔ میں نے محبوب کی کمر تو

دیکھی ، مگر دہن دیکھنے نہ پایا ۔ اب فضل اسطرح کہتے ہیں ۔ کہ میں نے آنکھ میں بال پڑتا ہے ۔ تو کسی اور چیز کو اس طرح

دیکھا نہیں جا سکتا ۔ اس جملہ سے تو معاملہ کچھ بھی معلوم نہ ہوتا ۔ مگر اصل میں کہنا یہ ہے ۔ کہ کمر بار یک بال جیسی پتلی اور نازک ہے ۔

اور دہان یار کو اس حالت تنگی میں ایک قسم اور بھی آگئی ہے ۔ شروع دہان محبوب کو نقطہ کہنا شروع کیا تھا ۔

پھر یہ نقطہ موہوم بنا دیا گیا ۔ پھر سر مو (بال کا سرا) پھر شے ہی نہ رہنے دی گئی ۔ اور ہیچ (کچھ بھی نہیں

ہونے کے برابر)

نام دیگر تنگی کی تعریف کرنے لگے ۔ مولانا کی آنکھ میں کوئی بال پڑ گیا ۔ کہ دہ ہیچ ، دیکھ نہ سکے ۔ یہی کمر یار نظر آیا ۔

یعنی کمر یار نظر میں آنے کو آنکھ میں بال پڑنے سے تعبیر کیا گیا ۔ پھر یہاں لفظ ہیچ ، برائے ایہام ہے ۔ دہن یار ، شاعرانہ نام

اور اسکے اصلی معنے ۔ اب دونوں معنے اور ترکیب ذہن میں رکھکر شعر کو پھر پڑھئے ۔ سمجھ جائیں گے ۔ یہ ہے قارئین کرام ۔ شعر محض

زنانہ ایہام بندی و خیالی آفرینی کیلئے کہا گیا ہے جس میں خلو بھی ہے ۔ اور دقت بھی ۔ مگر یہاں یہ پہلو ظاہر کرنے نہیں آگے بڑھنا

ایک اخلاقی جرم ہوگا ۔ اور غنی کے ساتھ بے انصافی ۔ کہ باوجود اسقدر دقت پسندی و ایہام بندی و مبالغہ خیالی کے ایسے شعر از کار

توجیہات ، تشبیہات ، تمثیلات سے احتراز کیا گیا ہے ۔ وہاں عیب الغیم خلو کا احتمال ہو ۔ یہ بات ایک مثال کے بغیر نہیں

سمجھائی جا سکتی ۔ مثال کے لحاظ پر سنئے ۔ اسی بحر کے ایک اور استاد فن شاعر نواب میرزا طاہر وحید کا شعر ہے ۔

" زفانوس گل شمع داد یدن ۔ چو بر خیزد غبار جسم نور جاں شود پیدا " ۔ پہلے پھول کو

شمع کی مناسبت کی مناسبت اضافت تشبیہی کے ملانے میں ڈھال کر فانوس بنایا گیا ۔ یعنی اسطرح ہوئے ۔ کہ " کسی پھول کے

فانوس سے (جسطرح) شمع کی روشنی نہیں پائی جا سکتی ہے ۔ (اسطرح) غبار جسم (ظاہری حجابات) اٹھ جانے کے

بعد ہی نور جاں (باطنی روشنی) ظاہر ہوتا ہے ۔ فانوس شمع کی روشنی کو روک لیتا ہے ۔۔۔ اور غبار جسم

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

فضا رجیم
اٹھنے کے بعد "نورجاں" کا پیدا ہونا کیسا ہے؟ بادی النظر میں کوئی تعلق نہیں - دیکھئے -
اس شعر میں بیانی نقطہ دوسرا مصرعہ ہے - پہلے مصرعہ میں قیاس تمثیل سے کام لینا چاہا ہے - مگر دور از کار

اور عسیر الفہم "خلو" اتنا چھوڑ دیا گیا - کہ نہایت ہی پختہ مغز - کہنہ مشق نکتہ رس ہی اسکا خلو پر کر کے اسکے مفہوم کی تہ تک پہنچ سکتا ہے - اور پھر کہیں مضمون دیبل کے ساتھ رابطہ جوڑ سکتا ہے - پھول کے فانوس سے کسطرح شمع کی روشنی لیجا سکتی ہے؟ - سنئے - شہد کی مکھی پھولوں سے رس چوستی ہے - جس سے شہد بنتا ہے - شہد سے موم نکالا جاتا ہے - موم سے شمع بنتی ہے - یہ مطلب ہے - کہ فروغ شمع "بننے تک پھول کو کتنے مراحل "ادنا" (نفی) سے گذرنا پڑا -

پس نے (جسے مکھی نے چوسا تھا) پھول کا لباس چھوڑ دیا - مکھی کے اندرونی عمل تحلیل نے اسکو شہد کا لباس پہنایا - شہد نے مکھی کو چھوڑ دیا - شہد سے موم اور پھر موم سے شمع بنگئی - بالآخر سوز "نفی" نے (نور حقیقت) "فروغ اثبات" ظاہر کرنے کیلئے شمع کو بھی جلا دیا - اٹھ گیا نا - اب "عبار جسم" - یعنی ایک پھول کو وجود ظاہری کے اتنے مراحل کا "نفی" کرنے کے بعد ہی "فروغ اثبات" تک پہنچنے میں کامیابی ہوئی ہے - اب ان بیچ میں سے چھوڑے ہوئے مرحلوں کو زیر لفظ اڑ گئے کے بعد ہی دوسرے مصرعہ کے معنی کو پہلے مصرعہ کے معنی کے ساتھ تطبیق دیجا سکتی ہے - اسی طرح مضمون تک اردو کے کسی شاعر نے "مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو - کہ ناحق خون پروانے کی ہوگا" کہا ہے — ہمارا جو اندھا غنی اے عسیر الفہم نزاکتوں اور غوامض سے مجتنب ہی آتا ہیں — خیر ایک بے تعرضہ کے طور پر بیچ میں آگیا ہے —

ہم اوپر غنی کی عشقیہ شاعری پر بات کر رہے تھے - ایک دو شعر اور سنئے — "چو میل سرمہ برآرد ز چشم جاں گفت
کہ سیر گوہ شوید غبار خاطر ما" — "یک میل در میان راہ ایستادہ است — کے میر سد بچشم سیاہ تو سرمہ جاں"
پہلے شعر میں "میکدہ" استعارہ چشم مگوں - یعنی ہر خمار آنکھ کیلئے — "میل سرمہ" سلائی کا اسمیں پھرایا جانا —
"سیر میکدہ" بن گیا — پھر اس سرمہ کا اتر جانا کہ غبار خاطر سے صاف ہونا — "غبار خاطر" سلائی پر چڑھا ہوا سرمہ —
دوسرے شعر میں - کہنا یہ ہے - کہ سرمہ دانی ہماری سرمہ گیں آنکھوں کا کیا خاک مقابلہ کر سکتی ہے - یا عیاری سرمہ گیں آنکھوں کی
سرمہ دانی کی ضرورت ہی نہیں = اب "میل سرمہ" کے ساتھ لفظ "در میان" لاکر اسے میل مسافت بنانے گئے - کہ میر سامان
ابہام ہے - دوری سے (میاں وہ ابھی گھر ہی) پہنچ نہ سکے ہونگے — اور چشم سیاہ کی برابری میں نہ اتر سکے ہونگے —
ساتھ ہی سرمہ دانی کا "ناس ادب" بھی دیکھئے — اب سلائی کا سرمہ دانی میں دھرا رہنے سے ذہن فوراً پھر بھی

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

بھانہ بنایا گیا ہے۔ غرض استعارات میں۔ تشبیہات میں۔ بلکہ کنایہ تک میں نزاکت و لطافت ہے۔ کیا بلیغ الفاظ و معنی کے۔ اور کیا بلیغ ادا و بیان کے۔ بہت کم شعرا ایسی بار یک نزاکتوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور نزاکت دیکھئے ہے "بارہا پاسایہ سنجیدیم خود را در دیار" اور تعجب ہے "برزمین نشستہ و ماہ رخاستیم" یعنی سایہ بھی برداشت نہ کر سکا۔ اور تمہارے کا بھار ہلکہ بنکر زمین پر ہی دھرا رہا۔ اور ہلکا پھلکا (جو حقیقت میں) اوپر کو چڑھ گیا۔ لہذا سایہ کا عکس ہیں۔ غنی صاحب کے دماغ سے بھاری پن نابود ہو گیا۔ اب الفاظ دیکھئے۔ بار سنجیدن۔ دماغ عرش نشست و برخاست۔ بھلا ایسے عاشقانہ اشعار میں تاثر کہاں سے آسکتا ہے۔ ایسے اشعار میں حسن کی تلاش، تلاش کی آرزو، آرزوؤں کی ناکامی، ناکامیوں کی حسرت، حسرتوں کی خلش وغیرہ۔ یا ایسی ہی دیگر عاشقانہ واردات کا کچھ پتہ نہیں لگ سکتا ہے۔ جو تغزل و تاثر کی بنیاد ہیں۔

غرض مولانا غنی کی شاعری میں باوجود ہر گونہ فنی مہارت۔ ہر نوع محاسن شعری بھرنے کی صلاحیت، قدرت کلام قدرت بیان۔ وغیرہ وغیرہ کے کوئی خصوص اور واضح مقصد یا تاثرات لفظ نظر نہیں ملتا ہے۔ روح رہ کہ غزل گوئی بھی یکجائی خواہش معین نظر یہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے شروع کیا ہے۔ خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے تمام محاسن کو ملحوظ نظر رکھکر کیا ہے۔ جو بلحاظ محاسن اور نزاکت بعض امور کے اکثر لاجواب ہے۔ مگر محض دل بہلانے کیلئے، تفنن طبع کیلئے، زندگی کی تلخیوں سے تنگ آکر غم غلط کرنے کیلئے۔ جودت طبع دکھانے کیلئے۔ مضمون آفرینی میں جدت پیدا کرنے کیلئے۔ تازہ بتازہ تلازمہ کھینچنے و تراشنے پیش کرنے کیلئے کیا ہے۔ جو اب کی سب ذہنی مشق میں شمار کئے جانے کی چیز رہی ہیں۔ اسلئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایسے بلند پایہ شاعر کے ایسے تمام محاسن شعری سے بھرپور شعر میں وہ اثر، وہ تاثیر اور وہ سوز و گداز نہیں جو ایسے شعر میں ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ اچھے شعر کا بنیادی اور معیاری جوہر جو کچھ ہے وہ یہ اثر ہے دیکھئے نظیری کا شعر ہے:۔ "مرا بسادہ دلہائے من نواں نخشود + خطا نخوردہ ام و جشم آں ندارم" کیا اس میں کوئی لفظی ابہام ہے؟ کوئی صنعت گری ہے؟ یا کوئی معنوی؟ یا کسی قسم کی مراعات ہے؟ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ ایک سادہ سا بیان ہے۔ جو ہمیں دیکھنے میں آتی ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ یہ بیان خود شاعر کا ہے اور

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

... اثر کرتی ہے اور ...

نرم کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے - اسی حالت کی ایک اثر انگیز تصویر پیش کر کے ترغیب کیگئی ہے - جو بادکی لفظی، معنوی، یا صنعتی تقلید یا رکاوٹ سے، دل میں مدد ہی اثر کی اور تیز تر شعر چبھو دیتی ہے - یہی اثر وہاں پورے زور پر ہو - وہاں کسی صنعت گری کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے -

دیوان غنی کا گل سرسبد "خسن سبز بخط سبز بر آورد اسیر + دام بر گردن نہ بود و گرفتار شدم" مانا گیا ہے - یہ شعر مسلمہ طور پر کیا بلحاظ روانی و سلاست اور کیا بلحاظ لطافت و عذوبیت بیمثال ہے - اور بلحاظ فنی کہ بیمثال - مگر یہاں بھی جو کمی ہے وہ ایک تاثر کی ہے - کیا "گم از دست بگریبد کہ از کار شدم" جیسا اثر اس میں بھی ہے؟ طبیعت دیانت سے کام لیتی ہوئی اس سوال کا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہے - "یہ لو... پھول... پکڑ لو... (جلدی) میرا... ہاتھ... ہے... کہ میں... از کار شدم" - بیخودی میں گرتے ہوئے کی حالت کی کیسی اثر انگیز اور جادو بھری منظر کشی کیگئی ہے - جسمیں تصنع کی بالکل بو نہیں - ایک فطرت بیش سادگی ہے - اور ایک جذبہ حالت کی گرمی - جو طبیعت میں سرشاری کی آگ لگا دیتی ہے - اب اسکو شعر پڑھئے: - "بوئی یار دہی از نی سست وفا می آید + گم... از دست... بگریبد کہ از کار شدم" واردات عالم کا دوسرا بھی دیکھئے غنی: - "اثر عکس نخست سحر می از طالع دارد + زود باشد چشم بد از دامن بر چیند" سبد کا جادو زمانہ عقیدہ کی رو سے چشم بد کا اثر دور کرتا ہے - مگر جلنے کے وقت سبد جو صدا اٹھتی ہے - جو غنی کے چشم بد کو پاس دور رکھنے - سبد سے چنگاری دیتی ہے - واردات عالم کی گرفتہ اثر - ایسی نظر کا بھی سبد اور اثر کی اندازہ بھی بخوبی کیے: - "آنچہ رحم ازدل پیر د تاثیر فریادی است + وانچہ نسیان آورد ضبط یادی است" (یاد و نسیان) "آورد" و "پیرد" کا کس معصومانہ اور غیر مرئی انداز میں استعمال کیا گیا ہے - ایک اور مثال لیجئے: - "اشک حسرت بسکہ جوش ہنگام دریا + پیرود دامن ساحل بہ گرداب گرہ می زند"

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

اسکے مقابلہ میں شیخ عاشق خواجہ، امام الغزل، سعدی کا تخیل ہی سنئے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"دے از شب بیا بدلبر پاہ وداع + کہ تحمل کند آں لحظہ کہ محمل بردد" ۔ مقصود ایک قسم کا فراق

اتنا ہے کہ دل عاشق وداع کرکے کچھ پار سے جانے لگتا ہے اور یہاں دل میں طرح طرح کی تجویزیں کیں کہ یہ جارہا ہے۔ اور عاشق

راستہ پر وداع کرنے کو کھڑا ہے۔ وہاں ایک قسم کا ابہام لفظ "میرود" پر۔ "از کوی میرود" کوچہ سے جانے بننا۔ کی

"پای در گل میرود" کچھ پاؤں باہر جانہ سکتا۔ کیونکہ اتنے عرصہ سے کچھ کیچڑ سے دامن لپٹ گئے ہیں اور دامن میں پاؤں کا

دھنسنا جانا ظاہر ہوتا ہے۔ جو بیش گریہ کا مبالغہ۔ پس اتنی بات ہے۔ مگر یہاں محاکات ہے۔ وداع کے

وقت پر حزنیات ہی کی نہیں، بلکہ اضطراب و بیچینی میں مبتلا دل کی دھڑکنوں کی پوری صورت دوڑ کر

اور اثر کے ساتھ ترجمانی ہوتی ہے۔ وہ کچھ اور بات ہے۔ وجدانی طور پر سمجھنے کی۔ سمجھانے کی نہیں۔

اب شعر پھر پڑھئے: "دے از شب بیا بدلبر پاہ وداع + کہ تحمل کند آں لحظہ کہ محمل بردد" ۔ سادہ ہے۔ کوئی

ابہام نہیں کوئی آورد نہیں۔ وہی "... فغانی گر دے داری تو باش اینجا کہ می رفتم" ۔ اسی آدمی کی

اسکی تصویر ہے۔ بگذار تا بگریم چوں ابر در بہاراں + کز سنگ ناید خیزد روز وداع یاراں۔

یہاں تک تو وداع کا تعلق ہے۔ اب کوئی بار سے باہر جانہ سکنے کا اثر کا فرق بھی دیکھئے۔ فغانی کہتا ہے:

"پا بہم بیش از سرای کوئی تو + یاراں خیز دید کہ ای جا گاہ کیست؟ + ایک جذبہ کا رونا ہے۔ دامن میں پاؤں پھنسنے کی

صورت نہیں۔ زیادہ آگے جانے کی نہ ضرورت ہے۔ نہ وقت۔ جملہ بالا اشتیاق سے تغزل کا انداز بھی کیا جاسکتا ہے

عہ

عہ حالیہ شعرا کے مجموعہ شعرا۔ جانب کلیم، قدسی، سلیم، میرزا علی، طوطا، آتش، آتش، وغیرہم۔ یا اگلے

قدیم شعراء کے ہاں بھی وداع کا بیان ہے۔ نزاکتیں ہیں، ابہام خیالات ہیں، ارسال المثل ہے، جامعیتیں، ہمسعادات و

تشبیہات ہیں، حسن تعلیل ہے، غرض ہر گونہ دقائق و صنائع شعری ہیں۔ مگر ایک خاص جدت

لیئے وہاں ان کے ہاں اسی قسم کی باتیں دوسرے عشقیہ و دیگر قسم کے مضامین و

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust.

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

حضرت یوسف علیہ السلام (۱۲ جنوری ۱۹۳۰ء) وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کا انداز بیان

بے جگہ غنی کی طرف منسوب ہے۔ ایک کتاب بھی منسوب اور داد دین کے قابل ہے۔ قرآن شریف ہی ایک

شخص نے لفظ غنی محض جہالت آیا ہے استاد ذوق کہتا ہے:۔ یعنی

"غنی جی نہ صفاں ایہا لا بود ست ۔ بحر قصہ و باز آمدن بہز بست"

یہ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ ہنسی آئی اور چکا لگا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر لائبریرین

آپے سے باہر ہو گئے اور مجھے لڑنے لگے۔ میں نے بھی بڑے انداز میں فوراً قطع اختیار کر

کر دیا۔ کہ دوست دشمن کی غلطیوں اور خامیوں پر لڑنے کی بجائے اور مجھ کو فائدہ

پہنچ رہا ہے۔ کہ اگر آپ یہاں نہ آتے تو یہ غلطی جوں کی توں ہی رہ جاتی۔ اس پر وہ ذرا ٹھنڈے

دل و دماغ سے ہو کر لائبریرین صاحب کی لائبریری میں لے گئے۔ اور کہا کہ۔ کہ شعر میں

کسی نہ کسی جگہ ایسا کچھ اور ضرور ہو۔ جو اب غنی کی طرف منسوب ہے کا سبب بنا ہو۔ لہذا

کل پھر لائبریری میں آنا۔ میں نے اس تجویز کا احترام کیا۔ اور میں نے گھر آ کر

اسکو اپنی غنی کی کلام مانتے پر بہانہ بنا لیا۔ دوسرے دن انکشاف ہوا (غنا) پڑھنا۔ "باز آمدن بر

سر مدعا"۔ اس بات کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی "بیانیت از اہل دکھنا"۔ کتاب کی ورق گردانی

پر دیکھ ہی کتاب بند کر دی۔ قسم اٹھایا۔ اور لائبریرین کو ہمراہ لے کر وہیں چلا آیا۔

ایسا اس کتاب میں دی ہوئی دوسری مثنوی کا بھی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا ہے وہی بیجا جام والی مثنوی

مگر صرف تین شعر۔ جو ایک صفحہ کی آخری تین سطروں پر ہیں۔ اسے ایک صفحات سمجھ گیا۔

اسی کتاب کی ایک حوالہ پایا۔ جامع مسجد کے کتب خانہ میں دیوان غنی کے ایک نسخہ کا۔ اور فوراً

لیا۔ پہلے تو وہاں کا لائبریرین بیمار تھا۔ دوسرے دن ملا۔ قدرت نسخہ میں دیوان غنی کا نام نشان تک

نہیں پایا۔ اتفاقیہ میں ڈھونڈتا رہا۔ تیرھویں گرمی۔ دوشنبہ۔ اور تیرھویں = اپنا

سا منہ لے کر رہ گیا۔ اتنے میں لائبریرین صاحب کو یاد آیا۔ اور کہا۔ کہ چند قلمی کتابیں ہیں جو

الگ رکھی ہیں۔ کہ کوئی ان کو نہ مانگ لے۔ مطلوبہ کتابیں ان میں سے

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

95
CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust
97

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0, INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust

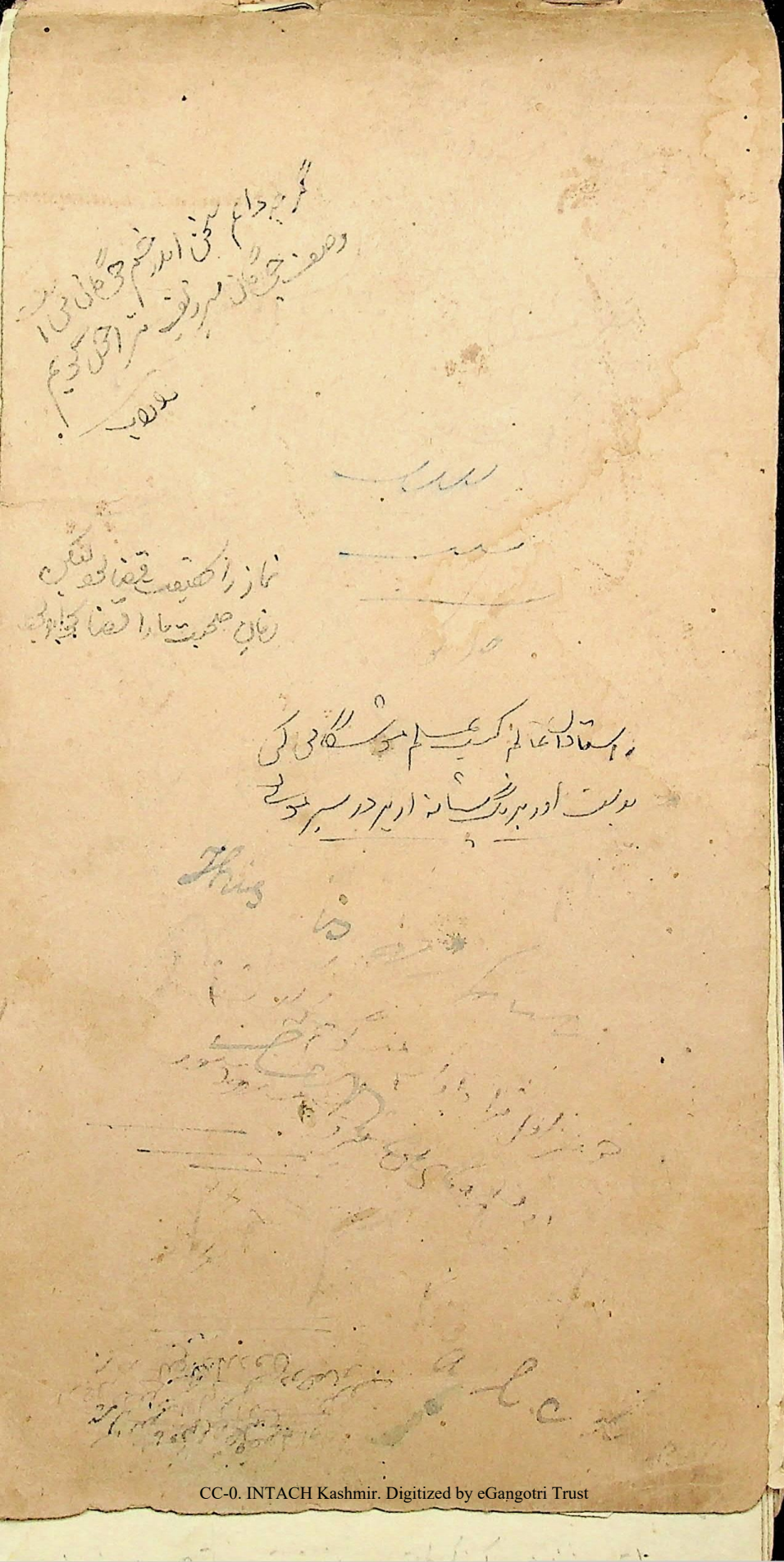

CC-0. INTACH Kashmir. Digitized by eGangotri Trust